ہدیۂ ناچیز

بخدمت مکرمی جناب منشی تلوک چند صاحب محروم

الیک بدرم

Call No. .... *Date* ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Call No. ....

Date ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Prof. Jagan Nath Azad,
[illegible], Government Quarters,
Gandhi Nagar, Jammu
(J & K)-180004
Phone: 30907

معارفِ ملّت

جلدِ اوّل

معذرت

افسوس کہ ہر چند تلاش کیا مگر جلد کے واسطے حسب دلخواہ کپڑا دستیاب نہوا بادل ناخواستہ پہلے اڈیشن میں کاغذ ہی کی جلد پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ کپڑے کی مطلا جلدیں شایع ہونگی۔ بحالت موجودہ قیمت میں بھی معقول تخفیف کردی گئی ہے یعنی فی جلد عہ۸؍ کے بجاے صرف ۲؍عہ قیمت رکھی ہے۔ کم ازکم ۲۵ سٹ کے یکمشت خریدار کو فی سٹ ۶؍ کمیشن دیا جائیگا۔ اس سے زیادہ رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہی۔

سلسلۂ منتخب نظم اردو

معارفِ ملّت

(حمد نعت مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ)

مرتّبہٗ

محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال ال بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)

معلّم معاشیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلدِ اوّل

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No. 502303
Date 14.2.05

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء طبع ہوئی

راول ۱۰۰۰ جلد

(جملہ حقوق محفوظ)

قیمت فی جلد عہ

Date ....

Call No. ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بےخبر شاعری کی دُھن میں مست تھے شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بےشمار نظم نگار نکل پڑے۔ آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اِسی رنگ میں رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حُسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ

خدا کی پناہ۔ اِس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق وعادات کی کیا گت بنی، جاہ وثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہی پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اِس آگ کے شعلے دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں اِن واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جُھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اِس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہی کمیاب ہی۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہی اور خدا کا شکر ہی کہ جابجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور

سرمایۂ مباہات ہیں۔ جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے۔ ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اِس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اِس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اِشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے، ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شایع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مُسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رُجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جاویں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمّہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجّہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں۔ اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرّک بنی ہوئی ہیں اسی طرح جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو

پھر نا ممکن ہی کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی کہیں خدانخواستہ جد و جہد کے رہے سہے ولولی اور ترقی کی اُمنگیں بھی سرد نہ پڑ جائیں اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائیگا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اِس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے ہیں۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جا کر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنھ سے بولنے لگیں۔

حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اِصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخباتِ نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے اس کے تین جداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملّت حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت یہ مجموعہ غالب مرحوم کے ایک لطیف انکشاف فطرت کی شرح ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ ڈوبے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے

شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لیے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل سنئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھیے تو یہ بھی بڑا کام ہی خدا جانے انہی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسے کیسے انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں علاوہ بریں ارتقاء شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہونگی پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار رہوں تو اُمید ہی کہ وہ معذرت قبول فرمائینگے باینہمہ اِن کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچّے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہی۔ اصل مضمون پیشِ نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا، حسب صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظمو

کے موزوں عنوانات قرار دیکر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آئندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائینگی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہونگی اُمید ہی کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ اِن کو جزائے خیر دے آمین جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی، اس سلسلہ کی جلد کو اپنے قابلانہ مقدموں سے مزین فرمایا اور اس کی طباعت وغیرہ حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف اِن کا بھی بدل ممنونِ احسان ہے۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچیگا اس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کردیگا السعی منی والاتمام من اللہ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ جولائی ۱۹۱۹ء

الیاس برنی

معارفِ ملّت

جلد اوّل

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ معرفت

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے — آئینہ کیا مجال تجھے مُنہ دکھا سکے
قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے — اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے
یا رب یہ کیا طلسم ہے ادراک فہم یاں — دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول — دل سے اٹھا خلاف اگر تو اُٹھا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار — اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

مست شرابِ عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
اے درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

درد

۲۔ معرفت

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہمنے کیا کیا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھہ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

شب و روز اے دردؔ درپے ہوں اُسکی
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

دردؔ

۳۔ معرفت

بلبل نے جسے جا کے گلستان میں دیکھا
ہم نے اُسے ہر خارِ بیابان میں دیکھا

روشن ہے وہ ہر ایک ستارے میں زلیخا
جس نور کو تو نے مہ کنعان میں دیکھا

برہم کرے جمعیت کونین جو پل میں
لٹکا وہ تری زلفِ پریشان میں دیکھا

واعظ تو سنی بولے ہی جس روز کی باتیں | اُس روز کو ہم نے شبِ ہجراں میں دیکھا

سودا جو ترا حال ہی اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا

سودا

۴۔ معرفت

باغِ عالم میں نہیں کون ثنا خواں تیرا | ذکر کرتا ہی ہر اک مرغِ خوش الحاں تیرا
کون عالم میں ہی ایسا جو نہیں سر بسجود | کس کی گردن کو جھکاتا نہیں احساں تیرا
جسمِ خاکی سے ہی دشوار رسائی تجھ تک | گرد اُڑکر نہیں چھو سکتی ہی داماں تیرا
عشق تو نے آنکھوں کو دیدار دکھایا آخر | پردہ پوشی سے ہوا حسن نہ پنہاں تیرا
بانٹ چاہے جسے دولت دوجہاں کی ایدوست | چاہتا تیرے سوا کچھ نہیں خواہاں تیرا

نیتِ اہلِ توکّل ہے کرم نے بھر دی
سیر نعمت سے دو عالم کی ہی مہماں تیرا

آتش

۵۔ معرفت

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
کرتا نہیں گنہ تو گناہِ عظیم تھا

باتیں بھی کیں خدا نے دکھایا جمال بھی
اللہ کیا نصیب جنابِ کلیم تھا

دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرو خیال
اس گھر میں پہلے تجھسے بھی کوئی مقیم تھا

دنیا کا حال اہلِ عدم ہے یہ مختصر
ایک دو قدم کا کوچۂ امید و بیم تھا

کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع
جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

سامانِ عفو کیا ہیں کہوں مختصر ہے یہ
بندہ گناہگار تھا خالق کریم تھا

جس دن تھا میں چمن میں ہوا خواہ گل امیر
نام صبا کہیں نہ نشانِ نسیم تھا

امیر مینائیؒ

۶۔ معرفت

مکاں سے ہے نہ کچھ ہمکو لامکاں سے غرض
جہاں حضور ملیں ہمکو ہے وہاں سے غرض

تمہارے جلوے کے مشتاق ہیں جہاں ہو نصیب
زمیں سے کام نہ کچھ ہمکو آسماں سے غرض

تمہاری فرات سے مطلب ہی دین و دنیا میں
نہ کچھ یہاں سی غرض ہی نہ کچھ وہاں سے غرض
ہر ایک فصل میں مانند سرو ایک ہی رنگ
بہار سی ہے نہ مطلب نہ کچھ خزاں سی غرض

حرم سی کام نہ مطلب ہی دیر سے ہم کو
سر نیاز کو ہی تیرے آستان سے غرض

امیر

معرفت

زنجیر کی کاں میں بھری ہوں ہزار رنگ
طرہ وہ ہے جو یار کی دستار پر کھلے
فصل بہار آئی ہے چلتا ہے دور جام
مغ کی دکان شام کھلے یا سحر کھلے
کٹ جائے وہ زباں نہو جس سی دعائے خیر
پھوٹے وہ آنکھ جو کہ نہ وقت سحر کھلے
کوتہ ہی اسقدر مرے قد پر ردائے عیش
ڈھانکو جو پاؤں کو تو یقیں ہے کہ سر کھلے
مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر
دیوانہ ہو جو حال قضا و قدر کھلے

چلنا پڑے گا یار کی خدمتمیں سر کے بل
سمجھے ہو کیا جو بیٹھے ہو آتش کمر کھلے

آتش

۸۔ معرفت

دوسرا کون ہے جہاں تو ہے — کون جانے تجھے کہاں تو ہے
لاکھ پردوں میں تو ہی بے پردہ — سو نشانوں پہ بے نشاں تو ہے
تو ہی خلوت میں تو ہی جلوت میں — کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے
نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے میہماں تو ہے

امیر

۹۔ نعرۂ مستانہ

تو جا بجا ہے تو سو بسو ہے — تو کو بکو ہے تو مو بمو ہے
ظاہر بھی تو ہے مظہر بھی تو ہے — ہر سمت اپنے خود رو برو ہے
جلوہ بھی تیرا آنکھیں بھی تیری — منظور بھی تو ناظر بھی تو ہے
جوئندہ تو ہے یابندہ تو ہے — مطلوب تو ہے تو جستجو ہے
دار الحرم میں بیت الصنم میں — تیری طلب میں اک ہاؤ ہو ہے

صحنِ چمن میں جنگل میں بن میں — تو رنگ و بو ہے نشو و نمو ہے
امرِ نہاں میں رازِ عیاں میں — نایاب بھی تو حاصل بھی تو ہے

تیری لگن تھی تو ملگیا جب
نیرنگؔ کی پھر کیا آرزو ہے

نیرنگ

۱۰- معرفت

معشوق ہوں یا عاشق معشوق نما ہوں — معلوم نہیں مجھکو کہ میں کون ہوں کیا ہوں
ہوں شاہد تنزیہ کے رخسارہ کا پردہ — یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں
ہستی کو مری ہستیٔ عالم نہ سمجھنا — ہوں ہست مگر ہستیٔ عالم سے جدا ہوں
انداز ہیں سب عاشق و معشوق کی مجھ میں — سوزِ جگر و دل ہوں کبھی ناز و ادا ہوں
ہی مجھ سے گریبانِ گل و صبح معطرؔ — میں عطرِ نسیم چمن و بادِ صبا ہوں
یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا — ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

گوشِ شنوا ہو تو مرے رمز کو سمجھے
حق یہ ہی کہ میں سازِ حقیقت کی صدا ہوں

مصحفی

۱۱۔معرفت

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا نہایت غم ہی اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا
تعلّق روح سی مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے زمانے میں چلن ہی چار دن کی آشنائی کا
نکل اے جان تن سی تا وصالِ یار حاصل ہو چمن کی سیر ہے انجام بلبل کی رہائی کا
دل اپنا آئینہ سے صاف عشق پاک رکھتا ہے تماشا دیکھتا ہی حسن اُسکی خود نمائی کا
نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہی آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعوے ہی خدائی کا

آتش

۱۲۔معرفت

وہ رنگ کہیں لعل بدخشان میں آیا نیلم میں کہیں گوہرِ غلطان میں آیا
یاقوت میں الماس میں مرجان میں آیا جب حسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ بھر رنگ ہر ایک شان میں آیا
بُو ہو کے ہر اک پھول کی پتّی میں بسا ہی موتی میں ہوا آب ستاروں میں ضیا ہی

تنہا نہ ہماری ہی وہ شہ رگ سی ملا ہے نزدیک ہی وہ سب سے جہاں اس سی بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبلِ نالاں کیا باغ و چمن تختہ کا کیا زیر خیاباں
سب مِل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر آن گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا ارض و سما حور و ملک دیو پری جن کیا وحشی طائر نہیں اک دم کوئی اس بن
ہر رات یہی بات یہی ذکر ہے ہر دن اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

نظیر اکبرآبادی

۱۳- ترانۂ وحدت

ہر ذرّہ میں ہے ظہور تیرا ہے برق و شرر میں نور تیرا
افسانہ ترا جہاں تہاں ہے چرچا ہی قریب و دور تیرا
ہر ذرّۂ خاک میں ہی لمعاں مخصوص نہیں ہی طور تیرا
محتاج شراب و جام کب ہے جس دل کو ہوا سرور تیرا

گاتے ہیں سحر ہوا میں کیا کیا
دم بھرتے ہیں سب طیور تیرا
تو جلوہ فگن کہاں نہیں ہے
وہ جا نہیں تو جہاں نہیں ہے

تاروں میں چمک دمک تری ہے
جو رعد میں ہے کڑک تری ہے
اے باعثِ رونقِ گلستاں
شاخوں میں لہک لچک تری ہے
ہر غنچہ میں ہے ترا تبسم
ہر گل میں بھری مہک تری ہے
نغمے مرغانِ خوش گلو کے
کہتے ہیں یہ سب چہک تری ہے
کہتی ہے کلی کلی زباں سے
میری یہ نہیں چٹک تری ہے
بشگفتہ ہے تو چمن چمن میں
خنداں ہے گلاب و یاسمن میں

محروم

۱۴۔ خدا کے جلوے

بتاؤ مہر منور میں نور کس کا ہے
میانِ انجمِ تاباں ظہور کس کا ہے
یہ تجھ میں اے دلِ شاعر سرور کس کا ہے
دماغِ فلسفی تجھ میں شعور کس کا ہے
یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

وہی ہے رعد میں بجلی میں اور بادل میں | اسی کی دم سے ہے منگل ہر ایک جنگل میں
اسی کی بو ہے گلوں میں اسی کا رس پھل میں | اسی کی نکہت تر ہے صبا کے آنچل میں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

ہر ایک برگ چمن اس کا ہے پتا دیتا | جو گل سے پوچھو تو وہ بھی ہے مسکرا دیتا
ہر ایک سرو جو انگلی ہے یوں اٹھا دیتا | نشاں اُس کا ہمیں ہے یہ برملا دیتا

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

چمن میں دشت میں وادی میں کوہ و صحرا میں | کہیں اولے میں شبنم میں ابر و دریا میں
شرر میں شعلے میں آتش میں برق سینا میں | شمیم گل میں نسیم مسرت افزا میں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

اسی کے جلوے ہیں سارے جو چشم بینا ہو | تمام ذرے ہیں تارے جو چشم بینا ہو
وہ روبرو ہے ہمارے جو چشم بینا ہو | بشر زباں سے پکارے جو چشم بینا ہو

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

بحر دوم

۱۵۔ معرفت

مہر میں روپ دکھاتے تجھے دیکھا ہمنے | ماہ میں ہاتھ جھکاتے تجھے دیکھا ہمنے
نرم آواز نسیموں میں تری ہمنے سنی | آنکھ تارے میں لڑاتے تجھے دیکھا ہمنے
آبشاروں میں ترا نغمۂ زیبا پایا | پھول میں ہونٹ دکھاتے تجھے دیکھا ہمنے
رعد میں غصّہ بھرا حکم ترا ہمنے سنا | برق میں ہنستے ہنساتے تجھے دیکھا ہمنے
سینچ کر خشک زمیں اپنے غلاموں کیلئے | کھیتیاں سبز اگاتے تجھے دیکھا ہمنے

چند عنایات تری ہوں تو گنی بھی جائیں
فیض کا سیل بہاتے تجھے دیکھا ہمنے

؟

۱۶۔ جلوۂ قدرت

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا | تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

درد

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں | یا معدن کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے | حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

انیسؔ

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

انیس

غلط تھا آپ سے غافل گذرنا
نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا

میر

جہاں تیرے جلوہ سے معمور نکلا
پڑی آنکھ جس کوہ پر طور نکلا
وجود و عدم دونوں گھر پاس نکلے
نہ یہ دور نکلا نہ وہ دور نکلا

داغ

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

انیس

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
نزدیک رگ جاں سے ہی اس پر یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

انیس

یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالےٰ یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

اکبر

مقدور نہیں اس کی تجلّی کے بیاں کا چوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردہ کو تعین کے درِ دل سے اُٹھا دے کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

سودا

گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے
آتی ہے دل میں اور ہی صورت نظر مجھے شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے

درد

چاروں طرف ہے صورتِ جاناں ہی جلوہ گر دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

آتش

۱۷۔ معرفت

اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
کرے کیا سیرِ دل ملکِ فنا کی کہ اس بازار میں سودا نہ پایا

وہ از خود رفتہ ہوں جسکو خودی نے خدائی میں اگر ڈھونڈا نہ پایا
یہی ہر دم ہاہے زخم دل کو رونا دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
کبھی تو، اور کبھی تیرا رہا غم غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
نظیر اس کا کہاں عالم میں اے ذوق
کہیں ایسا نہ پائیگا نہ پایا

ذوق

۱۸۔ معرفت

حسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا
وہ شوخ نہاں گنج کی مانند ہی اس میں معمورۂ عالم جو ہی ویرانہ ہے اس کا
جو چشم کہ حیراں ہوئی آئینہ ہی اُس کی جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہے اس کا
دل قصر شہنشہ ہی وہ شوخ اس میں شہنشاہ عرصہ یہ دو عالم کا جلو خانہ ہے اس کا
وہ یاد ہے اس کی جو بھلا دی دو جہاں کو حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اس کا
آوارگیٔ نکہتِ گل ہے یہ اشارہ جامہ سے وہ باہر ہی جو دیوانہ ہے اس کا
یہ حال ہوا اُس کے فقیروں سے ہویدا آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُس کا

شکرانہ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہی اُس کا

آتش

۱۹۔ معرفت

تھا مستعار حسن سے اسکے جو نور تھا — خورشید میں بھی اس ہی کا ذرّہ ظہور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں — معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم — یک شعلہ برق خرمنِ صد کوہ طور تھا
مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر — کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا
تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہم ہی میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

میر

۲۰۔ معرفت

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے — زمیں یاں کی چہارم آسماں ہے

خدا پنہاں ہے عالم آشکارا — نہاں ہی گنج ویرانہ عیاں ہے
تکلّف سے بری ہی حسن ذاتی — قبائے گل میں گل بوٹہ کہاں ہی
برنگ بو ہوں گلشن میں میں بلبل — بغل غنچہ کی میرا آشیاں ہی
تعلق ہا ہوتا ہی خوشبو سے اسکے — کسی گلرو کا غنچہ عطرداں ہی

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہار بیخزاں ہے

آتش

۲۱۔ معرفت

خدایا نہیں کوئی تیرے سوا — اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا
تصوّر تری ذات کا ہی محال — کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال
تعقل میں اتنی صفائی کہاں — تفکر کو ایسی رسائی کہاں
یہاں عقل جاتی ہی آئی ہوئی — تخیل پہ ہیبت ہی چھائی ہوئی
تفکر کے جلتے ہیں پر اس جگہہ — تصوّر کا کٹتا ہے سر اس جگہہ
نہ ٹھیری کوئی ناؤ اس موج میں — نہ پہنچا کوئی تیر اس اوج میں

جلا اس ہوا میں نہ کوئی چراغ ۔۔۔ پریشاں ہوئے دل، تھکے سب دماغ
جو ہوتی مشابہ ترے کوئی چیز ۔۔۔ تو کچھ کام کرتی سمجھ یا تمیز
ترا کوئی ہمجنس و ہمتا نہیں ۔۔۔ گماں کا یہاں پاؤں جمتا نہیں
سمجھ کیا ہی اور کیا سمجھ کی بساط ۔۔۔ سمندر سے قطرے کا کیا ارتباط
چلی بوند لینے سمندر کی تھا ۔۔۔ یکایک لیا موج نے اس کو کھا

ہوئی آپ ہی گم تو پائے کسے
بتائے وہ کیا اور جتائے کسے

اسمٰعیل

۲۲ معرفت

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ۔۔۔ ڈور کو سلجھا رہا ہی اور سرا ملتا نہیں
معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہی ۔۔۔ شہر تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں
غافلوں کے لطف کو کافی ہی دنیا میں خوشی ۔۔۔ عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

اکبر

۲۳-گلدستۂ معرفت

اعمال سے میں اپنے بہت بیخبر چلا — آیا تھا آہ کس لئے اور کیا میں کر چلا

سودا

مری بندگی سے مرے جرم افزوں — ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

داغ

واعظ کسے ڈرائے ہی یوم الحساب سے — گریہ تو تیرا نامۂ اعمال دھو گیا

درد

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

درد

نہ مارا آپ کو گر خاک ہو اکسیر بنجاتا — اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

ذوق

انساں عزیز خاطرِ اہل جہاں نہو — وہ مہرباں نہو تو کوئی مہرباں نہو

پیری میں بھی گیا نہ تغافل ہزار حیف — اتنا بھی کوئی مائل خوابِ گراں نہو

امیر

راول

چاہتے ہیں کب نشاں اپنا مثال نقش پا   جو کہ مٹجانے کو بیٹھے ہیں فنا کی راہ پر
ہی صراط المستقیم اسکے لیے جس نے ظفر   استقامت کی ہی تسلیم و رضا کی راہ پر

ظفر

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ   وہ دل خالی جو تیرا خاص خلوت خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

درد

مٹجائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں   ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہو کریں
تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو   دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

درد

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں تو نہو   کس کام کا وہ دل ہی کہ جس دل میں تو نہو
جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی مگر   یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہو

درد

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہی   لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہی
اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں   اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہی

درد

۲۴- حمد

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتا
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا

کاوش میں ہے الٰہی دگدا میں ہے طبیعی
جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پر دل بندھے ہوئے ہیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

ان کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کے جلال تیرا

دل ہو کہ جاں تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا

ہے یاں دوستوں کے تیری یہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی
سُن سُن کے سر دھنینگے قال اہلِ حال تیرا

حالی

۲۵- حمد

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا — سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا
شان ارفع ہے تری مرتبہ اعلیٰ تیرا — تو ہے یکتا کوئی ثانی نہیں حقا تیرا
ایک عالم کو ترے نام کا ہے ورد اے دوست — میں ہی کچھ ذکر نہیں کرتا ہوں تنہا تیرا
دید لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور — میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا
جستجو میں جو نہ دوڑیں تری ٹوٹیں وہ پاؤں — سر وہ کٹ جائے نہ ہو جس میں کہ سودا تیرا
تو ہی نے ان کو بنایا ہے ید قدرت سے — تو ہی چاہے گا تو بگڑے گا یہ پتلا تیرا

عاشقِ روے پری شیفتۂ حور نہیں
جانِ جاں رندؔ ہے دیوانہ و شیدا تیرا

رند

۲۶- حمد

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا — اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قیل کا
پانی میں اس نے راہبری کی کلیم کی — آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا

اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا
پھرتا ہی اس کے حکم سے گردوں یہ رات دن چلتا ہے یا عمل کوئی جبر ثقیل کا
کیا پائے کنہ ذات کو اسکے کوئی ظفرؔ
واں عقل کا نہ دخل نہ ہرگز دلیل کا

ظفرؔ

۲۷۔ حمد

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن ہی نہیں آتی ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے صدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہی ہر شے پہ محیط اُن کو جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
نشہ میں وہ احسان کی سرشار ہیں او بیخود جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
سمجھا ہی پڑے تجھکو ادراک کی سرحد سے جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالیؔ ہے سب سے جدا تیرا

حالیؔ

۲۸- جلّ جلالہٗ

تری ذات پاک ہے اے خدا تری شان جلّ جلالہٗ
ترا نام مالکِ دوسرا تری شان جلّ جلالہٗ
جسے چاہے مردہ بنائے تو جسے چاہے زندہ اٹھائے تو
ترے ہاتھ میں ہے فنا بقا تری شان جلّ جلالہٗ
کوئی شاہ کوئی امیر ہے کوئی بینوا و فقیر ہے
جسے چاہا جیسا بنا دیا تری شان جلّ جلالہٗ
کوئی کہتا رب ترا نام ہے کوئی کہتا ہے کہ تو رام ہے
غرض ایک سب کا ہے مدعا تری شان جلّ جلالہٗ
ہے ہر اک چمن میں ترا رنگ وہی زباں پہ طوطی کی تو ہی تو
پڑھے کیوں نہ بلبل خوشنوا تری شان جلّ جلالہٗ

؟

۲۹- حمد

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
ہم نکمّے ہوئے زمانے سے
کام ایسا سکھا دیا تو نے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہی دلِ بے مدعا دیا تو نے

کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے

بے طلب جو ملا ملا مجھ کو بے غرض جو دیا دیا تو نے

نارِ نمرود کو کیا گلزار دوست کو یوں بچا دیا تو نے

صبح موجِ نسیم گلشن کو نفس جاں فزا دیا تو نے

نغمہ بلبل کو رنگ و بو گل کو دلکش و خوشنما دیا تو نے

جسقدر میں نے تجھ سے خواہش کی اس سے مجھ کو سوا دیا تو نے

رہبرِ خضر و ہادی الیاس مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے

مٹ گئے دل سے نقش باطل سب نقشہ ایسا جما دیا تو نے

ہے یہی راہ منزل مقصود خوب رستے لگا دیا تو نے

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا تو جہنم کو کیا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا

جو دیا اے خدا دیا تو نے

داغ

۳۰۔ حمد

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقّل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگرچہ ہیں تو ہی تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسا ہی تو ہی تیرے کرم کا
مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

درد

۳۱۔ مناجات

ہر جا ہے تیرا جلوہ لیکن
دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
یاں عقل ہی گم کہ بس تجھی کو
پایا ہر شے میں پر نہ پایا
اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رولایا
یوسف سے عزیز کو کئی سال
زندانِ عزیز میں پھنسایا

یاں شعلہ کو سرکشی کی کیا تاب ابلیس کو خاک میں ملا یا
تو واحد و بے نظیر و ہمتا تو حاکم و خالق برا یا
آوے تری حمد کا تو ہم یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا
مومن ہے زبانِ عرض احوال یعنی تجھے بے خرد جتایا
رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا
اللہ مرے گناہ بے حد وہ ہیں کہ شمار کو تھکایا
ہے عام خطاب یا عبادی اس نے تو کچھ آسرا بندھایا
کیونکر نہ ہو تیری آس۔ تو نے افلاک کو بے ستوں تھمایا
مجھ کو بھی بچالے جیسے تو نے یوسف کو گناہ سے بچایا
وہ رفعتِ حال دے کہ جس نے منصور کو دار پر چڑھایا
اس کا مرے دل پر ایک پرتو جس شعلہ نے طور کو جلایا

مومن کہے کس سے حال آخر
ہے کون ترے سوا خدایا

مومن

۳۲۔ مناجات

عاجز نواز دوسرا تجھ سا نہیں کوئی — رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا
باغ و بہار آتش نمرود کو کیا — مشکل کے وقت تو ہوا حامی خلیل کا
موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی — فرعون کو تو نے غرق کیا رود نیل کا
طوفاں میں ناخدائی کشتیٔ نوح کی — حقا جواب ہی نہیں تجھ سے کفیل کا
دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہی — دل توڑتا نہیں تو عزیز و ذلیل کا
مائل ہوں مجھکو قید کم و بیش کی نہیں — مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

آتش

۳۳۔ مناجات

یارب ہی بخش دینا بندے کو کام تیرا — محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا
جبتک ہی دل بغل میں ہر دم ہو یاد تیری — جبتک زباں ہی منہ میں جاری ہو نام تیرا
محروم کیوں رہوں میں جی بھر کے کیوں نہ لوں میں — دیتا ہی رزق سب کو ہی فیض عام تیرا

یہ داغ بھی نہ ہوگا تیرے سوا کسی کا
کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

داغ

۴۳۔ مناجات

وہاں کی مخلصی اے وائے قسمت ہو تو کیونکر ہو
کہ میں آلودۂ عصیاں جو رحمت ہو تو کیونکر ہو

جہاں ہو نفس سا رہزن جہاں شیطان ہو دشمن
وہاں طاعت ہو کیونکر اور عبادت ہو تو کیونکر ہو

غرورِ جاہ نے پھونکی وہ مغز جاں میں بیہوشی
کہ زائل نشۂ پندار و نخوت ہو تو کیونکر ہو

ہوس کہتی ہے چل یاں سے کہے ہے حرص لا واں سے
توکل ہو تو کیونکر ہو قناعت ہو تو کیونکر ہو

برنگِ طائرِ تصویر ہوں میں دامِ حیرت میں
رہائی کی مری کوئی جو صورت ہو تو کیونکر ہو

گراں باری گناہوں کی اٹھانے سر نہیں دیتی
الٰہی کیا کروں پھر دفع خجلت ہو تو کیونکر ہو

بجز رونے کے ہاں چشمِ عنایت ہو تو کیونکر ہو
کہ بے اشکِ ندامت جوشِ رحمت ہو تو کیونکر ہو

ظفر

۳۵- کریمی و رحیمی

پھر اس کی شان کریمی کے حوصلے دیکھے — گناہگار یہ کہدے گناہگار ہوں میں
وہ کشتہ ہوں کہ مری لاش جسطرف گزری — زمیں پکار اٹھی قابلِ مزار ہوں میں
بلائیں لیتی ہے پھر پھر کے گرد نومیدی — یہ کس کے در پہ الٰہی امیدوار ہوں میں

بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیرؔ
وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

حشر میں جسنے کہا بندہ خطاکار و نہیں ہے — رحمت اسکی بولی چل تو کن گنہگار و نمیں ہے
میں ہوں عاجز اور اسکو عاجزی مرغوب ہے — بے نیازی اسکی میرے ناز بردار و نمیں ہے

حشر کے دن دیکھکر آغوش رحمت میں مجھے
پوچھتی ہے خلق تو کس کے گنہگاروں میں ہے

بیگناہ ہونیں چلا زاہد جو اُس کو ڈھونڈنے — مغفرت بولی ادھر آ میں گنہگار و نمیں ہوں
وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر — چیخ اٹھا ہر بے گنہ میں بھی گنہگار و نمیں ہوں

امیرؔ

Kashmir University
Iqbal Library
Acc. No. 502303
Dated 14.2.05

۳۶۔ مناجات

یا مجھے افسرِ شاہانہ نہ بنایا ہوتا　　یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے　　کیوں خردمند بنایا، نہ بنایا ہوتا
خاکساری کیلئے گرچہ بنایا تھا مجھے　　کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا
شعلۂ حسن چمن میں نہ دکھایا اسنے　　ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا
روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہی ظفرؔ
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

ظفرؔ

۳۷۔ مناجات

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

تجھے کیا بتائے ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاط عمر دراز میں

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اقبال

۳۸۔ وجد

نالہ کہتا ہے کہ تا چرخ زحل جاؤں گا
بلکہ میں توڑ کے اس کو بھی نکل جاؤں گا

آج گر راہ نہ پاؤں گا تو کل جاؤں گا
کوچۂ یار میں پر سر ہی کے بل جاؤں گا

دل ہی کہتا ہوں کہ تو ساتھ نہ لیجا مجھ کو
جا کے واں میں ترے قابو سے نکل جاؤں گا

دل یہ کہتا ہے مجھے سینہ کی روزن سے نکل
ورنہ خوں ہو کے میں آنکھوں سے نکل جاؤں گا

گر پڑا آگ میں پروانہ دمِ گرمیٔ شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کمبخت کہ جل جاؤں گا

کہتا پیراہنِ گل ہی یہ نزاکت سے نسیم
ہاتھ مجھکو نہ لگانا کہ نکل جاؤں گا

میں وہ مشتاقِ شہادت ہوں کہ سر دینے کو
پائے کوباں تہِ شمشیرِ اجل جاؤں گا

ذوق

۳۹- گریہ

جو اس شور سے میرؔ روتا رہیگا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہیگا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے
جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا

بس اے میرؔ مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہیگا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے
جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

میرؔ

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۱۴ - دعاء فاتحہ شریف

"حمد و ثنا ہو تیری" کون و مکان والے
الحمد للہ

"اے ربّ ہر دو عالم" دونوں جہان والے
ربّ العٰلمین

"بن مانگے دینے والے" عرش و قران والے
الرحمٰن

گرتے ہیں تیرے در پر سب آن بان والے

بیشک "رحیم" ہے تو رحمت نشان والے
الرحیم

"یوم الجزا کے مالک" خالق ہمارا تو ہے
مٰلک یوم الدین

"سجدے ہیں تجھکو کرتے" تیری ہی جستجو ہے
ایاک نعبد

"امداد تجھسے چاہیں" سب کا سہارا تو ہے
ایاک نستعین

تیری ہی بارگہ میں یہ بھی اک آرزو ہے

"رستہ دکھا دے سیدھا" او آسمان والے
اھدنا الصراط المستقیم

"وہ راستہ" دکھا تو پروردگار عالم
صراط الذین

جس پر چلا گئے ہیں پرہیزگار عالم

"نعمت تھی جن کو ملتی تجھسے" نگار عالم
انعمت علیھم

اور نام جن کا اب تک ہے یادگار عالم

تیری نظر میں ٹھیرے جو عزّ و شان والے

"معتوب ہیں جو تیرے" اے خالق یگانا
المغضوب علیھم

"گمرہ ہوئے جو تجھسے" اے صاحبِ زمانا
ولا الضالین

عاجز حبیب کو تو ان کی "نہ" رہ چلانا
غیر

کر رحم اتنا اب تو اے قادر و توانا

مقبول یہ دعا ہو اے لامکان والے

حبیب

اہلِ مسلم کی مناجات

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادی فاراں کے ہر ذرّہ کو چمکا دے — پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے
محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
آتش منشی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے — اس بادیہ پیما کو وہ آبلۂ پا دے
پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر — اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلیٰ دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو — وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر — خودداریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے
بے لوث محبت ہو بیباک صداقت ہو — سینوں میں اجالا دے دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبل نالاں ہوں اس اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

اقبال

۴۲۔ شاعر کی مناجات

یارب چمنِ نظم کو گلزار ارم کر — اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر

تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر   گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جبتک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری   بلبل کی زباں پر ہی تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری   پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہو جن پھولوں کی بو کو

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو   دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر انداز تکلم سے زباں کو   عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو
تحسین کا سمٰوات سے غل تابہ سمک ہو
ہر گوش بنے کان ملاحت وہ نمک ہو

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام   جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیت انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام   صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہی خلدِ بریں سے

انیس

۴۳۔ شاعر کی دعا

عالم ہی اپنے بستر راحت پہ خواب میں — آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے — اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے
مجھکو تو ملک سے ہے نہ ہی مال سے غرض — رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں کو جو دل پر اثر کرے

آزاد

۴۴۔ شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں — فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں — ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھکو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم — قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہی اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہی اے صاحبِ الطافِ عمیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیّتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمّت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوّتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چیں چین میں ایراں میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں   خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں   کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لئے   اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے   سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے؟
قوم اپنی جو زرو مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی؟

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اَڑجاتی تھے   پاؤں شیروں کی بھی میداں سی اُکھڑ جاتی تھی!
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے   تیغ کیا چیز ہی ہم توپ سے لڑ جاتی تھا
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اُکھاڑا درِ خیبر کس نے؟   شہر قیصر کا جو تھا اُس کو کیا سَر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟   کاٹ کر رکھدیے کفّار کے لشکر کس نے؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کونسی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟ اور تیرے لئے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟ کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
مُنہ کے بل گر کے ھُوَ اللهُ اَحَد کہتے تھے؟

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمودؔ و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے مےِ توحید کو لیکر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے اور معلوم ہے تجھکو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے!

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہمنے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہمنے

پھر بھی ہم سے یہ گِلا ہی کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں! تو بھی تو دلدار نہیں!

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مستِ مئے پندار بھی ہیں
اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سی بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہی تو بیچارے مسلمانوں پر

بُت صنم خانوں میں کہتے تھے مسلمان گئے
ہی خوشی اُن کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کی حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہی احساس تجھے ہی کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھہ پاس تجھے ہی کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں۔ ہیں اُنکے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنیکا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدۂ حور!

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں!
بات یہ کیا ہی کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہی دولتِ دُنیا نایاب تیری قدرت تو ہی وہ جسکی نہ حد ہی نہ حساب
تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب رہرو دشت ہو سیلی زدۂ موج سراب

طعنِ اغیار ہی رسوائی و ناداری ہے!
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ گئی اپنے لئے ایک خیالی دنیا!
ہم تو رخصت ہوئے اَوروں نے سنبھالی دُنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا!

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہی کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے شب کی آہیں بھی گئیں صبح کی نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صِلا لے بھی گئے آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشّاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنہیں ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لیکر!

درد لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی نجد کے دشت وجبل میں رم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی اُمّت احمدِ مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگیٔ غیر سبب کیا معنی!
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی!

تجھکو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اُویسِ قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!
زندگی مثلِ بلالِ حبشی رکھتے ہیں!

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی جادہ پیمائیٔ تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطربِ دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی اور پابندیٔ آئینِ وفا بھی نہ سہی

کبھی ہمسے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے اک اشارے میں ہزاروں کے لئے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے۔ پھونک دی گرمیٔ رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ اُجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی!

بے حجابانہ سوئے محفل ما باز آئی!

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے

دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے

پھر پتنگوں کو مذاقِ تپش اندوزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہی پھر سوئے حجاز لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طور مضطر ہے اسی آگ سے جلنے کے لیے

مشکلیں اُمّتِ مرحوم کی آساں کر دے مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما

می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گل لیگئی بیرونِ چمن رازِ چمن — کیا قیامت ہی کہ خود پھول ہیں غمّازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن — اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

ایک بلبل ہی کہ ہی محوِ ترنّم اب تک
اسکے سینے میں ہی نغموں کا تلاطم ابتک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں — پتّیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہی باقی نہ مزا جینے میں — کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں،
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں — جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں — پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خُم ہی تو کیا مے تو حجازی ہی مری
نغمہ ہندی ہی تو کیا لے تو حجازی ہی مری

اقبال

۵۴-جوابِ شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہی اثر رکھتی ہی
پَر نہیں۔طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہی
قدسی الاصل ہی۔رفعت پہ نظر رکھتی ہی
خاک سی اٹھتی ہی گردوں پہ گزر رکھتی ہی
اُڑ کے آواز مری تا بفلک جا پہنچی!
یعنی اس گُل کی مہک عرش تلک پہنچی!

جب مے درد سے ہو خلقت شاعر مدہوش
آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشورِ دل میں ہوں خاموش خیالوں کی خروش
چرخ سے سوے زمیں شعر کو لاتا ہی سروش
قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا!
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا!

پیرِ گردوں نے کہا سُن کے "کہیں ہی کوئی"
بولے سیّارے "سرِ عرشِ بریں ہی کوئی"
چاند کہتا تھا "نہیں! اہلِ زمیں ہی کوئی"
کہکشاں کہتی تھی "پوشیدہ یہیں ہی کوئی"

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھ کو جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا! — عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا — آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟
غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے! — تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے!
عالمِ کیف ہے دانائے رموزِ کم ہے! — ہاں! مگر عجز کے اسرار سے نا محرم ہے!
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو!
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

آئی آواز- غم انگیز ہے افسانہ ترا! — مئے فریاد سے معمور ہے پیمانہ ترا!
ہے ہم آغوشِ فلک نعرہ مستانہ ترا! — کس قدر شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا!
شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بکرم ہیں- کوئی سائل ہی نہیں — راہ دکھلائیں کسے رہ روِ منزل ہی نہیں

تربیت عام تو ہی جوہر قابل ہی نہیں جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں!

ڈھونڈھنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں!

جس طرح احمدِ مختار ہی نبیوں میں امام! اُس کی اُمت بھی ہی دنیا میں امامِ اقوام!

کیا تمہارا بھی نبی ہی وہی آقائے انام؟ تم مسلماں ہو؟ تمہارا بھی وہی ہی اسلام؟

اُس کی اُمّت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں

مے جو اسلام کی ہوتی ہی وہ اس خم میں نہیں

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں! اُمتی باعثِ رسوائیٔ پیغمبر ہیں!

بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں!

کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے!

قوم دنیا میں یہی احمدِ بے میم کی ہے!

کشورِ ہند میں کلیۂ ناکام کا بُت گورستاں میں شفاخانۂ اسلام کا بت

اور لندن میں عبادتکدۂ عام کا بُت لیگ والوں نے تراشا ہی بڑے نام کا بت

بادہ آشام نئے بادہ نیا خم بھی نئے

یعنی کعبہ بھی نیا بت بھی نئے تم بھی نئے

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا! نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا!
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا! کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا!

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کرلو!
ملتِ احمدِ مرسل کو مقامی کرلو!

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے۔ ہاں! نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمہیں کہدو! یہی آئینِ وفاداری ہے؟

قوم مذہب سے ہے۔ مذہب جو نہیں۔ تم بھی نہیں،
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں،

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن۔ تم ہو! نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن۔ تم ہو!
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو! بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو!

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچوگے جو ملجائیں صنم پتھر کے؟

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ رکھے منتظرِ فردا ہو!

کیا کہا؟ "بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور" — شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور — مسلم آئیں ہوا کافر۔ تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں،
جلوۂ طور تو موجود ہے۔ موسیٰ ہی نہیں،

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی۔ دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی۔ اللہ بھی۔ قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی؟ ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ — مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟ — ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں۔ روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا۔ تو غریب — زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا۔ تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا - تو غریب   پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا - تو غریب

اُمرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملّتِ بیضا غربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی - نہ رہی!   برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی - نہ رہی!

رہ گئی رسمِ اذاں - رُوحِ بلالی - نہ رہی!   فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی - نہ رہی!

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ "نمازی نہ رہے"

یعنی - وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شور ہے "ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود"   ہم یہ کہتے ہیں کہ "تھے بھی کہیں مسلم موجود"

وضع میں تم ہو نصاریٰ - تو تمدن میں ہنود   یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سیّد بھی ہو - مرزا بھی ہو - افغان بھی ہو!

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک   عدل اُس کا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک

شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک   تھا شجاعت میں وہ اِک ہستیِ فوق الادراک

خودگدازی نمِ کیفیتِ صہبایش بود

خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا
اُسکے آئینہ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسا تھا اُسے قوّتِ بازو پر تھا
ہی تمھیں موت کا ڈر۔ اُسکو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہی
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے

حیدری فقر ہی نے دولتِ عثمانی ہی
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطا بیں۔ وہ خطا پوش و کریم

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریّا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا سریرِ کَے بھی
یوں ہی باتیں ہیں۔ کہ تم میں وہ حمیّت ہی بھی؟

خودکشی شیوہ تمھارا۔ وہ غیور و خوددار
تم اُخوّت سے گریزاں۔ وہ اُخوّت پہ نثار

تم ہو گفتار سراپا۔ وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو۔ وہ گلستاں بکنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُنکی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُنکی

مثلِ انجمِ اُفق قوم پہ روشن بھی ہوئے
علم حاضر بھی پڑھا زائرِ لندن بھی ہوئے
صفتِ طائرِ گم کردہ نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھی ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے

حال اُن کا مے نو اور زبوں کرتی ہے
شب سیہ سایۂ کی ظلمت کو فزوں کرتی ہے

شہر کی کھائی ہوا بادیہ پیما نہ رہے
قیس زحمت کش تنہائی صحرا نہ رہے
یہ ضروری ہے حجابِ رُخِ لیلا نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہی بستی میں رہے یا نہ رہے

شوقِ تحریرِ مضامیں میں گھُلی جاتی ہے
بیٹھکر پردہ میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
عہدِ نو برق ہی۔ آتشِ زنِ ہر خرمن ہی
ملّتِ ختمِ رُسُل شعلہ بہ پیراہن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہی

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہی اندازِ گلستاں پیدا

کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
دیکھکر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی!

یعنی ہونے کو ہی کانٹوں سی بیاباں خالی گل بر انداز ہے خونِ شہداء کی لالی
ساحل بحر پہ رنگ فلک عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے

اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں اور محرومِ ثمر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں
سینکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہیں سینکڑوں بطن چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا،
پھل ہی یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہی گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا! تو وہ یوسف ہی کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا!
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا! غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا!
"نخل شمع استی و در شعلہ دود ریشۂ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو"

تو نہ مٹ جائیگا ایران کی مٹجانے سے نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہی عیاں یورش تاتار کی افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہی۔ دھندلا سا ستارا تو ہے

جلد اول

ہی جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا   غافلوں کے لیے پیغام ہی بیداری کا
تو سمجھتا ہی یہ ساماں ہی دل آزاری کا   امتحاں ہی ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہی صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری   ہی ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری   کوکبِ قسمتِ امکان ہی خلافت تیری

ختم کا ہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ہو نہ افسردہ اگر ہل گئی تعمیر تری   رازِ توحید! حکومت نہیں تفسیر تری
تو وہ سرباز ہی اسلام ہی شمشیر تری   نظمِ ہستی میں ہی کچھ اور ہی تقدیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو   چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو   بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

وسعتِ کون و مکاں سارا ہی مضراب ہے یہ
دہر مسجد ہے سراپا۔ خمِ محراب ہے یہ
جام گردوں میں عیاں مثلِ مئے ناب ہے یہ
روح خورشید ہی خونِ رگِ مہتاب ہے یہ

صوت ہی نغمۂ کُن میں تو اسی نام سے ہے
زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہے

دشت میں دامنِ کوہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین میں شہر مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیٔ مہر کی پروردہ ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کیطرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کیطرح

انجم اسکے فلک اسکے ہیں زمیں اسکی ہے
کیا یہ اغیار کی دنیا ہے؟ نہیں! اسکی ہے

سجدے مسجود ہوں جسکے وہ جبیں اسکی ہے	وہ ہمارا ہے امیں - قوم امیں اس کی ہے

طوف احمدؐ کے امینوں کا فلک کرتے ہیں
یہ وہ بندے ہیں ادب جنکا ملک کرتے ہیں

مثلِ بو قید ہے غنچے میں! پریشاں ہوجا!	رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہوجا
شوقِ وسعت ہے - تو ذرّے سے بیاباں ہوجا	نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کردے!
اور دنیا کے اندھیرے میں اُجالا کردے!

اقبال

۴۶ - صلی اللہ علیہ وسلم

خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم	مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم
نور مجسم نیر اعظم سرور عالم مونس آدمؑ	نوحؑ کے ہمدم خضرؑ کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم
بحر سخاوت کان مروّت آیۂ رحمت شافع امت	مالکِ جنّت قاسمِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم
رہبر موسیٰؑ ہادی عیسیٰؑ تارکِ دنیا مالکِ عقبیٰ	ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم
فخر عیاں ہیں عرش مکاں ہیں شاہ شہاں ہیں سیف زباں ہیں	سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ نعت آمیں ہی اپنا پیشہ
ورد ہمیشہ رہتا ہے اکثر صلی اللہ علیہ وسلم

امیر

۴۷- یہ ہی تو ہیں

شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ نور الہدیٰ یہ ہی تو ہیں
عاشق ہوا جن پر خدا وہ دلربا یہ ہی تو ہیں

عالی نسب والا حسب جنکا سنا تو نے لقب
یعنی محمد مصطفیٰ وہ مجتبیٰ یہ ہی تو ہیں

ہیں اوّلین و آخریں اور وہ شفیع المذنبیں
وہ رحمۃ للعالمیں ابر سخا یہ ہی تو ہیں

وہ سایۂ ذاتِ احد وہ مظہرِ نورِ صمد
فرمانروائے نیک و بد خیر الوریٰ یہ ہی تو ہیں

شبدیز کی ہے یہ دعا پہنچے مدینہ میں گدا
کہتا ہوا صل علیٰ صل علیٰ یہ ہی تو ہیں

شبدیز

۴۸- شبِ معراج

اللہ اللہ عجب انوار ہیں معراج کی رات
نور افشاں درو دیوار ہیں معراج کی رات

وصلِ محبوب کے آثار ہیں معراج کی رات — کھلنے کو پردۂ اسرار ہیں معراج کی رات
جلوے رحمت کی نمودار ہیں معراج کی رات — ملک اس طرح گہربار ہیں معراج کی رات

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مرحبا آج قدم رنجہ وہ فرماتے ہیں — خالقِ پاک کے محبوب جو کہلاتے ہیں
قدسیوں کا ہی وہ عالم کہ بچھے جاتے ہیں — دل بیتاب کو قابو میں نہیں پاتے ہیں
آمدِ شاہ کی چرچے انہیں تڑپاتے ہیں — ایک سے ایک یہ کہتا ہی حضور آتے ہیں

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جبرئیل آتے ہیں لینے کو یہ رتبہ دیکھو — عرش سے آگے ہی جانا یہ ارادہ دیکھو
سرِ اقدس پہ ہی کیا بانکا عمامہ دیکھو — حق نما آنکھ میں مازاغ کا سرمہ دیکھو
آؤ اس حسنِ مجسم کا تماشا دیکھو — بڑھ کے مطلع یہ پڑھو جب رخِ زیبا دیکھو

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اس سواری کی عجب شان ہی اے صل علیٰ — دہنے بائیں نظر آتا ہی فرشتوں کا پرا

تا رو نمیں چاند سے روشن ہیں جنابِ والا شمع ایوان دنی اختر برج طٰہٰ
شہ سوار مدنی صدر نشینِ بطحا اے بقربان تو صد جان و دل و دیدہ ما

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

دیکھو دیکھو طلبِ خاص کا منشا ہیں یہی آنکھیں روشن کرو ماہِ شبِ اسرا ہیں یہی
محرم رازِ یہی سرِ فاوحیٰ ہیں یہی حسن افروزِ جمالِ فتدلّٰی ہیں یہی
دردمندانِ محبت کے مسیحا ہیں یہی اس ثنا کی لئے سچ پوچھو تو زیبا ہیں یہی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یہی بیمار کو دارو ئے شفا دیتے ہیں یہی بگڑی ہوئی باتوں کو بنا دیتے ہیں
راہ بھولے ہوؤں کو راہ بتا دیتے ہیں یہی اللہ سے بندوں کو ملا دیتے ہیں
اپنے رخسار سی پردہ جو اٹھا دیتے ہیں گرد پھر پھر کے یہ مشتاق صدا دیتے ہیں

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

دیکھکر مسجد قصیٰ کو جو سرکار بڑھے پیشوائی کے لیے چرخ کے حضّار بڑھے

بلد اول

انبیا تھے جو وہاں طالبِ دیدار بڑھے — کیا نبی کیا ملک و حور سب اکبار بڑھے
سب سے ملتے ہوئے اور احمد مختار بڑھے — اس طرح کہتے زیارت کی طلبگار بڑھے

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آسمانوں سے گزر کر وہ امامِ جبریل — پہنچے سدرہ پہ جو تھا خاص مقامِ جبریل
بھر دیا بادۂ مقصود سے جامِ جبریل — آپ کے نام سے روشن ہوا نامِ جبریل
واں سے آگے جو بڑھے لیکے سلامِ جبریل — تھا یہی شاہ سے اُسوقت کلامِ جبریل

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آپ تنہا ہوئے راہی سوئے عرشِ اعظم — عرش نے فخر کیا چوم کے حضرت کے قدم
اس جگہ ہاتے تھے مفہوم یہ مضمون بہم — آ قریب آ کہ بہت دیر سے مشتاق ہیں ہم
تیرے لینے کو ہی کھولی ہوئے آغوشِ کرم — دیکھ کہتے ہیں تری شان میں کیا لوح و قلم

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آ قریب آ کہ کریں موردِ رحمت تجھ کو — آ قریب آ کہ ملے قرب کا خلعت تجھکو

آج دکھلائینگے ہم جلوۂ وحدت تجھ کو | آج پہنائینگے ہم تاج شفاعت تجھ کو
دیکھ لائی ہی کہاں تیری محبت تجھ کو | عرش اعظم بھی یہ دیتا ہی بشارت تجھ کو

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یہ وہ جا ہی کہ رسائی سے گماں قاصر ہی | فہم عاجز ہے یہاں عقل بشر فاتر ہی
وہی منظور ہے اسوقت وہی ناظر ہی | وہی شاہد وہی مشہود عجب یہ سر ہی
کوئی اس راز نہانی سے کہاں ماہر ہی | خوب موقع سے گہر ریز لب شاعر ہی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اب یہ ہی عرض حضور شہ والا القاب | ہی جلیل آپ کی فرقت میں نہایت بیتاب
ہند کی خاک پہ مہجور کی مٹی ہی خراب | شربت وصل سے کر دیجیے اسکو سیراب
حشر میں خاص ہو اس پر نظر لطف جناب | شعر قدسی کا وہ پڑھتا چلے ہمراہ رکاب

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جلیل

۴۹۔ سلامی علیک

اے مدنی برقع و مکی نقاب آج مناسب نہیں اتنا حجاب
وصل کی ہی رات تکلف ہے کیوں لطف کی ہی بات توقف ہی کیوں

اے مرے محبوب سلامی علیک
اے مرے مطلوب سلامی علیک

خلدِ بریں خوب ہے آراستہ عرش سے تا فرش ہے پیراستہ
آؤ چلے آؤ بڑھائے قدم دیر سے مشتاق ہے ملکِ قدم

اے مرے محبوب سلامی علیک
اے مرے مطلوب سلامی علیک

آؤ چلے آؤ کہ عرشِ الٰہ سر پہ بٹھائے تمہیں شاہوں کے شاہ
آؤ چلے آؤ کہ سب انبیا کب سے ہیں مشتاقِ جمال و لقا

اے مرے محبوب سلامی علیک
اے مرے مطلوب سلامی علیک

آؤ چلے آؤ سوئے لامکاں شانِ ہُوَیَّت کا ہی جلوہ یہاں

آؤ چلے آؤ کہ قدسی تمام باندھے ہوئے صف ہیں برائے سلام

اے مرے محبوب سلامی علیک

اے مرے مطلوب سلامی علیک

اتنے قریب آکے ملو ہم سے تم نام دوئی بیچ سے ہو جائے گم
آؤ چلے آؤ کہ خوش ہو کے آج ہم تمہیں پہنائیں شفاعت کا تاج

اے مرے محبوب سلامی علیک

اے مرے مطلوب سلامی علیک

ہے یہ بیانِ حالتِ معراج کا ذکر رسولوں کے ہے سرتاج کا
کیا کہے بیچارہ امیرِ حقیر جب کہے خود ربِّ جلیل و قدیر

اے مرے محبوب سلامی علیک

اے مرے مطلوب سلامی علیک

امیر

۵۰۔ عشقِ نبی صلعم

کچھ ایک ہم ہی نہیں انتظار بیٹھے ہیں رسول پاک کے شیدا ہزار بیٹھے ہیں

غمِ فراق شہ دیں میں ابتو کھو کر ہم
تمام دولتِ صبر و قرار بیٹھے ہیں
نہ ہم کو زر کی ہی خواہش نہ چاہ جاہ کی ہی
تمہارے لطف کی امیدوار بیٹھے ہیں
خیال روضۂ پرنور مصطفیٰ ہے ہمیں
خموش صورتِ شمعِ مزار بیٹھے ہیں
سنا ہے قبر میں دکھلاتے ہیں شبیہ نبیؐ
اجل کے اسلئے ہم انتظار بیٹھے ہیں

؟

۱۵ عشق نبی صلعم

عشق خیر الانام رکھتے ہیں
ہم کسی سے نہ کام رکھتے ہیں
بادۂ الفت نبیؐ ہے مدام
دل کا لبریز جام رکھتے ہیں
سب نبی مقتدی ہوئے جنکے
ہم وہ اپنا امام رکھتے ہیں
بادشاہانِ دوجہاں پہ شرف
ان کے ادنیٰ غلام رکھتے ہیں
اے خدا روضۂ نبی دکھلا
وردِ یہ صبح و شام رکھتے ہیں

؟

(اسلام)

۵۲۔ نعت

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

وقف ہے تیرے لئے دولتِ گنجِ مخفی

کھل گئے ہفت سماوات کے تالے آجا

پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی

اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

رنگ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہی یہاں

اے گلِ گلشن لولاک لما لے آجا

صورتِ لالہ ہے پُر داغ بیان کا سینہ

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

بیان

۵۳۔ نعت

دلِ بیتاب کو سینے سے لگا لے آجا — کہ سنبھلتا نہیں کمبخت سنبھالے آجا

پاؤں ہیں طولِ شبِ غم نے نکالے آجا — خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا

بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

صورتِ سایہ ہوں اُفتادہ اُٹھالے آجا ایڑیاں خستہ ہیں اور زخم ہیں آبلے آجا
خارِ صحرا ہیں زبانیں ہیں نکالے آجا بیکسی پر مری خون روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سایہ کا پتا کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

اے مسیحا ترے بیمار و نہیں کیا رکھا ہے رخت ہستی ترے کوچہ سے اُٹھا رکھا ہے
تری فرقت میں وصال اُنکا ہوا رکھا ہے دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

دل ہی دل میں مرے ارمان گھُلے جاتے ہیں خاک پر گر کے دُر اشک رُلے جاتے ہیں
مری رسوائی پہ کمبخت تلے جاتے ہیں ہوں سیہ کار مرے عیب کھُلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

ہائے وا ماندگی و وسعتِ دامانِ صراط المدد المدد اے خضرِ بیابانِ صراط
ہر قدم پر نگہہ یاس سے یارانِ صراط دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذر نزاکت نے کہا
مرحبا، بڑھ کے ادھر شاہد وحدت نے کہا
آ، بلائیں تری لوں جوش محبت نے کہا
پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

ترے دیوانہ کو زنجیر طلائی بخشی
جوہرِ آئینۂ دل کو صفائی بخشی
بادشاہوں کو ترے در کی گدائی بخشی
ہمنے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی

اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

بھینی بھینی گلِ توحید کی نکہت ہی یہاں
واہ کیا رنگ ہم آہنگی صحبت ہی یہاں
ابر رحمت ہی یہاں لوٹے محبت ہی یہاں
رنگ وحدت ہی یہاں غنچۂ خلوت ہی یہاں

اے گُلِ گلشن "لولاک لما" لے آجا

آبگینہ ہے لیے دردِ نہاں کا سینہ
یا زمانہ ہے کوئی سوزِ فغاں کا سینہ
تختۂ گل ہے ترے سوختہ جاں کا سینہ
صورتِ لالہ ہی پُر داغ بیاں کا سینہ

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

سرور جہاں آبادی

جلد اوّل

۵۴- پردۂ میم

نگاہ عاشق کی ڈھونڈ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم، یہ گلستانِ عرب کی بو ہے
مگر نہ اب ہاتھ لا ادھر کو، وہیں سے لائی ہی تو اُڑا کر

بہارِ جنت کو کھینچا تھا مجھے مدینہ سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اُس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

شہیدِ عشق نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کی
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

شہیدِ عشق نبی ہوں میری لحد پہ شمع قمر جلیگی
اُٹھا کے لائینگے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

لحد میں سوتے ہیں تیرے شیدا تو حورِ جنت کو اسہیں کیا ہی
کہ شورِ محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

ہنسی بھی کچھہ کچھہ نکل رہی ہی مجھے بھی محشر میں تاکتی ہی

کہیں شفاعت نہ لیگئی ہو مری کتابِ عمل اُٹھا کر
رکھی ہوئی کام آہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے زرِ شفاعت دکھا دکھا کر
خیالِ راہِ عدم سے اقبال در پہ تیرے ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

اقبال

۵۵- شمع ہدایت

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھمکنے والی تھی کُل دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں
جو فلسفیوں سے کھُل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ظفر علی خان

۵۶۔ بعثت حضرت خاتم النبیین صلعم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوےٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ
خطاکار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اُس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

جلد اوّل

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی | عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی | اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا | حقیقت کا گُر اُن کو اک اک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا | بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیے ایک پردہ اُٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں | بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانہ میں تھا دورِ صہبائے بطلاں | مئے حق سے محرم نہ تھی بزمِ دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا مُنہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے | نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے
لگائی تھی ایک اک نے لو ما سوا سے | پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرّا گیا گلّہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لایق
زباں اور دل کی شہادت کے لایق
اسی کے ہیں فرمان طاعت کے لایق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لایق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

اسی طرح دل ان کا ایک اک سے توڑا
ہر ایک قبلۂ کج سے منہ ان کا موڑا
کہیں ماسوائے کا علاقہ نہ چھوڑا
خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیئے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

حالی

۵۷ شوق زیارت بیت اللہ شریف

الٰہی یہ تمنا ہے حرم کی راہ کو دیکھوں
کہیں اس دونوں عالم کی زیارت گاہ کو دیکھوں

جو تو چاہے تو میں اس خانۂ دلخواہ کو دیکھوں
نہیں جی چاہتا دنیا کی عز و جاہ کو دیکھوں

یہی جی چاہتا ہے بس کہ میں ہر کام کو چھوڑوں
اور اس دنیائے دوں کی ہر خیالِ خام کو چھوڑوں

ملا کر خاک میں دنیا کی ننگ و نام کو چھوڑوں
چلا جاؤں مسافر بنکے اور آرام کو چھوڑوں

غمی دیکھی خوشی دیکھی بھلا دیکھا برا دیکھا
نہ تھا جو دیکھنا بھی سو وہ اس دنیا میں آ دیکھا

یہ مانا ہمنے یاں ہر اک تماشا خوب سا دیکھا
نہ دیکھا خانۂ کعبہ تو ان آنکھوں سے کیا دیکھا

تمنا ہے کہ میرا ہاتھ ہو کعبہ کا دامن ہو
تو عرضِ حالِ دل مولیٰ سے ہو اور چشم گریاں ہو

نکالوں دل سے حسرت جو کہ حسرت دل میں پنہاں ہو
یہ دیکھا چاہیے کب ہو جو تسکینِ دل و جاں ہو

خوشا حالِ غریباں جو عدم کی راہ چلتے ہیں
حرم میں جا کے دیوانوں کی سی صورت بدلتے ہیں

غبار آلود ان کو دیکھکر بس دل پگھلتے ہیں
ہمارے دیکھئے ارمان دل کے کب نکلتے ہیں

خدایا تیری رحمت سے نصیب ایسا زمانہ ہو
فقیر خستہ جان و خستہ خاطر بھی روانہ ہو

گلستانِ حرم میں جا کے میرا آشیانہ ہو
پھروں لبیک کہتا اور مری صورت دیوانہ ہو

تمنا ہے اب ان آنکھوں سے بیت اللہ کو دیکھوں
پھر اس کو دیکھکر بیت رسول اللہ کو دیکھوں

؟

۵۸ شوق زیارت مدینہ منوّرہ

جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں | حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے مجھ میں طاقت | شوق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے | مدد اے شوق کہ پیچھے میں رہا جاتا ہوں
اس لئے تا نہ ملے روکنے والوں کو پتا | محو کرتا ہوا نقش کف پا جاتا ہوں

فیض مولا سے ابھی صبر کی طاقت ہے امیر
جو کڑی سامنے آتی ہے اٹھا جاتا ہوں

امیر

۵۹ شوق زیارت مدینہ منوّرہ

قافلے جبکہ مدینہ کی طرف جاتے ہیں | اپنی محرومی پہ ہم روتے ہیں شرماتے ہیں
گرچہ ساماں نہیں ظاہر میں مہیا لیکن | عاجزوں کی وہ مدد غیب سے فرماتے ہیں

رات دن رکھتے ہیں دل میں یہ تمنا اپنے
ہم سے محتاجوں کو کب دیکھیئے بلواتے ہیں

لو مبارک ہو شہنشاہ کا روضہ آیا
عرش سے جسکی زیارت کو ملک آتے ہیں

کیا ہی اس شاہِ رُسل کا بھی جلالی دربار
بادشاہانِ جہاں رعب سے تھراتے ہیں

کیا ہی دُربار ہے دربارِ حبیبِ رحمت
فیض اس دَر سے سبھی جن و بشر پاتے ہیں

مسکین

۶۰۔ شوقِ زیارت مدینہ منوّرہ

ہے تمنّا یہ خدا سے کبھی ایسا ہووے
ہند سے سوئے مدینہ مرا جانا ہووے

سر کے ہوں بال کھلے پاؤں برہنہ ہووے
گیروا رنگ گلے میں مرے کرتا ہووے

خاک صحرائے مدینہ ہو ملی مُنہ پہ مرے
جاری آنکھوں سے مرے اشکوں کا دریا ہووے

دل مشتاق میں ہو شوق زیارت کا بھرا
تذکرہ لب پہ مرے صلِّ علیٰ کا ہووے

پہنچوں اسطرح سے جب میں درِ اقدس کے قریب
یا حبیبی کا زباں پر مرے نعرہ ہووے

روضۂ پاک کے چوگرد پھروں میں ایسا
جیسے پروانہ سرِ شمع پہ پھرتا ہووے

جوڑ کر ہاتھ کروں عرض میں یا ختمِ رُسل
حالِ خستہ پہ نظر میرے خدارا ہووے

دلِ بسملؔ ترے کوچہ میں تڑپتا ہووے
تو بھی ہو گرم تماشا یہ تماشا ہووے

بسملؔ

۶۱- مدینہ کی جوگن

ابتو جاؤں گی مدینہ کو میں جوگن بنکر
پیارے احمدؐ کو میں ڈھونڈونگی برو گن بنکر
نہ تو کعبہ ہی گئی میں نہ مدینے پہنچی
ہند میں رہ گئی کمبخت میں پاپن بنکر
ابتو جانے دے مدینہ کو جو نکلیں ارماں
موت کیا پیچھے پڑی ہی مرے بیرن بنکر
سینکڑوں بار تصدّق ہوں ترے روضہ پر
ہار پھولوں کا چڑھایا کروں مالن بنکر

۶۲- عرض حالی

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہی
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیاں تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ درا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دیندار و نمین پر آب ہی باقی نہ صفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

حالی

۶۳ـ تحفۂ امت

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا

قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن | نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
ہوا نہ فیقِ اجل اشتیاقِ آزادی | سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھکو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھکو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز | کلی کلی ہے تری گرمئ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا | فتادگی ہے تری غیرتِ سجود و نیاز
اُڑا جو پستئ دنیا سے تو سوئے گردوں | سکھائی تجھکو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

کہا یہ مینے کہ سچی خوشی نہیں ملتی | تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول | وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں | جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمّت کی آبرو اسمیں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اسمیں

اقبال

۶۴۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بکھانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہے کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر جو آسماں کا بے چوبا خیمہ یہ تن رہا ہے
نہ اس کی میخیں نہ ہیں طنابیں نہ اس کی چوبیں اَدھر کھڑا ہی
اِدھر ہے چاند اور اُدھر ہے سورج ادھر ستارے اُدھر ہوا ہی
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہے یہ کا ہے کا ہی
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہیگا زمیں پہ اب جو یہ بسترا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سی سر جن کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
زمین سے لیکر جو آسماں تک بھری ہی لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہے ہاتھی کہیں ہی چیونٹی کہیں ہی رائی کہیں ہی پربت
جو چاہے اسکے یہ بھید کھولے کسی کو اس کی نہیں ہی طاقت
کہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی قدرت خدا کی صنعت
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھاوے کسے بھریگا

کسی کے گھر کون ہووے پیدا کسی کے گھر کون سا مرے گا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا ہے وہ کیا کرے گا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

نظیر اکبرآبادی

۶۵- خدا کی خدائی

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہی
کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہی
فیصلہ گردش دوراں نے کیا ہی سو بار
مرو کس کا ہی بدخشان و ختن کس کا ہی
دم سی یوسف کی جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیت حزن کس کا ہی
آنکھ پڑتی ہی ہر اک اہل نظر کی تم پر
تم میں روپ اے گل و نسرین و سمن کس کا ہی
شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اسکی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغ چمن کس کا ہی
واعظ اک عیب سے تو پاک ہی یا ذات خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہی
ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالی دونوں
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہی

حالی

۶۶- حضرتِ انسان

عجب حالت ہی انساں کی عجب کچھ اس کا عالم ہے
کہ نیک و بد کا اس میں بھی پراگندہ ہے اک دفتر
نہ بھولو بھولی بھالی صورتِ انسان پر ہرگز
یہ حضرت طرفہ معجوں ہیں نہ غافل ان سے ہو دم بھر
فرشتوں سے سوا ہے خیر کا بھی مادہ ان میں
شرارت پر اگر آویں تو ہیں شیطان سے بد تر
کبھی سوتے نہیں بیمار کی تیمارداری میں
کبھی سوتوں کی گردن پر چلاتے ہیں یہی خنجر
کبھی ہمدرد بن کر جان یہ دیتے ہیں غیروں پر
کبھی بھائی کے پہلو میں چبھوتے ہیں یہی نشتر
کبھی اپنے ہی ہمجنسوں کی جوتی صاف کرتے ہیں
کبھی ان کو دریغ اس میں کہ دیکھیں بھی نظر بھر کر

سمجھکر بھوت ڈرتے ہیں کبھی دیوار سے حضرت

کبھی جا ہاتھ دیتے ہیں دہانِ شیر کے اندر

کبھی کرتے ہیں یہ باتیں ملاءِ عرشِ اعلیٰ سے

کبھی ہیں پوجتے حیواں کبھی لکڑی کبھی پتھر

خدا نے دی ہے استعداد نیک و بد تجھے عارف

ہمیشہ کر یہی کوشش کہ کل ہو آج سے بہتر

عارف

۶۷- خدا کی امانت

مجنوں کا دل ہی خواہش لیلیٰ کے واسطے　　وامق کا دل ہے دامنِ عذرا کے واسطے

بلبل کا دل بنا گلِ رعنا کے واسطے　　پھر دل مرا ہے کس کی تمنا کے واسطے

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

پنہاں اسی میں راز ہیں کچھ رازدار کے　　لایا تھا ساتھ عرش بریں سے اُتار کے

دامن میں پھول کچھ ہیں کہیں کی بہار کے　　پہلو میں کچھ ہیں داغ کسی لالہ زار کے

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

او قاصدِ شباب نہ لانا پیامِ عشق — چھاتی دہل گئی ہی یہاں سُن کے نامِ عشق
ہو جاؤں یوں تو جان سی دل سی غلامِ عشق — ممکن ہی بھول جاؤں کبھی پی کے جامِ عشق

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

او حُسنِ فتنہ ساز، تجھے دیکھتا تو ہوں — ہی مثلِ سحرِ سامری بیشک ترا فسوں
بہتر ہی ترے عشووں سی نا آشنا رہوں — تو لاکھ عشوہ باز ہو پر دل تجھے نہ دوں

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

صیاد نقش طائرِ دل سے ذرا پرے — کمبخت اپنے جال کو جا کر بچھا پرے
دانا ہی کب فریب میں آتا ہی جا پرے — مکار جا کے مکر کے دانے گرا پرے

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

کتنے ہی اسکے چاہنے والے ہیں تاک میں — دم کر رکھا ہی نفس ستمگر نے ناک میں
ملجائے، آہ آہ مرا دل نہ خاک میں — کیا چیز لیکے جاؤں گا درگاہ پاک میں

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

محروم

۶۸- دل

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل — سارے عالم میں میں دکھا لایا
دل کہ ایک قطرہ خوں نہیں ہے بیش — ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی — اس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لے جا کر — اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار — عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میر

۶۹- تنبیہ الغافلین

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل — دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل
کم ظرف پُر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ — مانندِ جوشِ خم نہ زیادہ اُبل کے چل
فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوزِ دل کے ساتھ — اس پر سپند وار نہ اتنا اُچھل کے چل
یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما — سایہ سے بچ کے اہلِ فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بل ہی تو بل کر بل پہ تو کچھ اپنی بل پہ چل
انساں کو کل کا پتلا بنایا ہے اسنے آپ
اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل
پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں کہ رکھ دیکھکر قدم
کہتا ہے کون تجھکو نہ چل چل سنبھل کے چل

ظفر

۷۰۔ سفر آخرت

کرو نہ دیر جہاں نہیں جہاں سے آئے چلو
یہاں گمانِ خطر ہے قدم بڑھائے چلو
یہاں فریب نشیب و فراز اکثر ہے
خدا کے واسطے اتنا نہ منہ اٹھائے چلو
شکستہ پا ہوں کہیں ساتھ سے نہ رہجاؤں
مجھے بھی ہاتھ ذرا دوستو لگائے چلو
ہمیشہ ملک عدم کے بنے رہو سفری
ادھر سے لینے کو پیکِ قضا جب آئے چلو
ادھر ادھر کہیں بھر کر ترارہ جا نہ پڑے
سمندِ عمرِ رواں کو ذرا دبائے چلو
ابھی تو حسنِ عمل کا زمانہ باقی ہے
وہاں کی بگڑی ہوئی کچھ یہیں بنائے چلو
عدم میں ترسو گے دردِ جگر کو اے تسلیم
جو ہو سکے کوئی سینہ پہ تیر کھائے چلو

تسلیم

۷۱۔ بہشتی

دلوں کو لذت معنیٰ کا اب حس بھی نہیں باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوئے قرب باری ہے نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوق موسیٰ اک کہانی ہے

ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
نہ وہ اَرِنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت باریاں یہ ابر مغرب کی
کوئی آلودۂ آز کوئی صرفِ جوانی ہے

ملا دے اپنی ہستی اشتیاق حسن باقی میں
جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیات جاودانی ہے

اکبر

۷۲۔ چشمِ باطن

مینے مرشد سے کیا جا کر یہ اکدن التماس
کارِ دنیا نے بہت مجھکو کیا ہی اب اُداس

جلوۂ دنیا نے مجھکو کر دیا ہے بے بصر
آخرت پر کچھ نہیں باقی رہی میری نظر

فلسفہ نے مجھکو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ
میری چشمِ طبع کو عارض ہی غربی کیٹریکٹ

میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن کیجیے
ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجیے

کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر
اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر

چشمِ باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا
کٹ گیا وہ رنگ محسوسات کفر انگیز کا

پھر درِ دل پر مرے تقویٰ کی ٹٹی باندھ دی
آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

اکبر الٰہ آبادی

۷۳۔ فکرِ عاقبت

آئینہ رکھدے بہارِ غفلت افزا ہو چکی
دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینتِ آرائشِ قصرِ معلّٰے ہو چکی

جلد اول

بیخودی کی دیکھ لذت کرکے ترک آرزو — ہو چکی حدِ ہوس مشقِ تمنا ہو چکی
حسنِ مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جام — روئے زیبا ہو چکا زلفِ چلیپا ہو چکی

چل بسے یارانِ ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبرؔ فکرِ دنیا ہو چکی

اکبر

۷۴۔ فکرِ عاقبت

کیا وہ دنیا جس میں کوشش ہو نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

خوں کے دریا بہہ گئے عالم تہہ و بالا ہوئے
اے سکندر کس لئے دو گز زمیں کے واسطے

ذوقؔ عاصی ہے یہ اس کا خاتمہ کیجو بخیر
یا الٰہی اپنے ختم المرسلیں کے واسطے

ذوق

۷۵- مآل زندگی

تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا
ایک دم آئے اِدھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ہم جہاں سے آئے تھے تنہا ولے
ساتھ اپنے اب اُسے لے کر چلے

جوں شرر اے ہستی بے بود یاں
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کِس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

دردؔ

۷۶- بزم حیات

میں اک بزم طرب میں میہماں تھا بدل ممنونِ لطفِ میزباں تھا
سراپردہ میں جب داخل ہوا میں وہ کچھ دیکھا کہ حیراں رہ گیا میں
ہجوم میہماناں دمبدم تھا صلائے عام الطاف و کرم تھا
کوئی مستِ شکوہ خسروانہ رہینِ داب انداز شہانہ
کوئی صوفی صفت سرگرم توحید کوئی آزاد وش شیدائے تجرید
کوئی مستِ خیالِ ساغر و مے کوئی محوِ تلاشِ بربط و نے
کوئی اپنی خود آرائی پہ شیدا فدائے ناز رعنائی پہ شیدا
کوئی شمشیر در کف طالبِ جنگ غرض جس شخص کو دیکھا جدا رنگ
صفیں موزوں کئے بیٹھے ہیں یکسو صنوبر قامتانِ عنبریں مو
کہیں دہقاں کسی جانب کو تجّار زیانِ و سود میں سرگرم گفتار
مہیّا جا بجا کھانے کے ساماں جہاں جس جنس کو دیکھا فراواں
پیالے تازہ کھانا پک رہا ہے کمر باندھے ہر ایک خادم کھڑا ہے
صدائے عام ہے سب آؤ کھاؤ جو کچھ مرغوب ہو منگواؤ کھاؤ

جو ہیں اہلِ جماعت حصّے لیجائیں
برابر ساتھیوں میں بیٹھکر کھائیں

و لیکن منصفانہ ہو وہ قسمت
کہ تا ہر فرد ہو سرگرم فرحت

جسے درکار ہو مانگے یہاں سے
نہ جھینپے کوئی عاجز میہماں سے

کمی یاں کچھ کسی شے کی نہیں ہے
یہ بزمِ دعوتِ شاہ زمیں ہے

ضعیفوں کی قوی خدمت بجالائیں
انھیں بٹھلا کے اپنے ساتھ کھلوائیں

ہنسیں، بولیں، پھریں، دیکھیں، پئیں، کھائیں
سپاسِ میزباں دل سے بجالائیں

پیامِ شاہ جب پہنچا چکا وہ
مخاطب ہو کے پھر کہنے لگا وہ

سنو اے میہمانوں تم مری بات
کہ بزمِ امتحان ہے آج کی رات

شہنشاہِ دو عالم میزباں ہے
خوشا بخت اس کا جو یاں میہماں ہے

سحر قصرِ شہنشاہی کھُلے گا
سجے ہیں جسمیں کمرے لاکھوں زیبا

دکھائے آج جو جیسی لیاقت
اسی درجہ کی کل پائے وہ نعمت

زباں پر میری ہے جس قصر کی بات
اسی کا نام ہے دار المکافات

سمجھ اور سوچ کر اب تم پیو کھاؤ
ملا ہے حکم جو تم کو بجالاؤ

وہ دیکھو غرفۂ ایواں کھلا ہے
تمہارا میزباں خود دیکھتا ہے

ذرا بھی کچھ چھپا سکتے نہیں تم — نظر اس کی بچا سکتے نہیں تم
کوئی جو کچھ فسوں سازی کریگا — دل اس کا اس کی غمازی کریگا

ہر اک کو عرض بیگی نے جتایا
مگر ہر اک نرالا رنگ لایا

کوئی تو پینے کھانے میں ہوا محو — کوئی گانے بجانے میں ہوا محو
کسی نے دستِ جبر اپنا بڑھا کر — گلا گھونٹا کسی عاجز کا جا کر
کریم النفس تھے ایسے بھی اکثر — کہ کمریں باندھ کر مانند چاکر
ضعیفوں کی لگے کرنے مدارات — بدل تعمیل کی جو کچھ سنی بات
کچھ ایسے بھی وہاں آزاد دیکھے — جو یکسوئی کی دھن میں شاد دیکھے
وہیں ایسے بھی دیکھے عالی ہمت — کہ اپنے حصہ کے خوانوں کی نعمت
لگے تقسیم کرنے خود نہ کھا کر — کریموں کی طرح سب سے چھپا کر
نظر ایسے بھی آئے پاک طینت — نہ ہے ان کو کسی شے سے بھی رغبت
سوئے ایوان شاہی لو لگائے — کھڑے ہیں دم بخود آنکھیں ملائے
بندھی ہے ٹکٹکی تن کا نہیں ہوش — بھرا ہے دل میں شوقِ دید کا جوش
خردمند ایسے بھی واں مینے پائے — سوئے ایوان شاہی لو لگائے

غریبوں کی بھی خدمت کر رہے ہیں
عتاب شہ سے دل میں ڈر رہے ہیں
کھلاتے بھی ہیں اور خود بھی ہیں کھاتے
خوشی پہنچا کے ہیں خوشیاں مناتے
بہت ایسے بھی دیکھے میں نے بیباک
سمجھتے تھے جو خود کو فن میں چالاک
لگے جیبیں کترنے دھوکے دے کر
جو کچھ پایا چلے مٹھی میں لے کر
کہیں پر ہے غضب بدکار خونخوار
جفا پیشہ ستمگر مردم آزار
غرض ہر اک تھا حال خاص میں محو
بطرزِ خود خیالِ خاص میں محو

بغور ان کے جو دیکھے میں نے احوال
نظر آیا مجھے پھر اک نیا حال

کمر میں سب کے اک پھندا پڑا ہے
بہت باریک ڈورے سے بندھا ہے
اور اس ڈورے میں گرہیں دی ہوئی ہیں
وہ سب نوبت بہ نوبت کھل رہی ہیں
مگر ہے مختلف گرہوں کی تعداد
نہیں تعداد ان سب کی مجھے یاد
کسی میں دس کسی میں بیس یا تیس
کم از کم ایک زیادہ اکیسو بیس
گرہ کے آگے پیچھے اور برابر
بنے ہیں کچھ نشاں ڈورے کے اوپر
سرا ڈورے کا ہے پردے کی باہر
کوئی تھامے ہوئے ہوگا مقرر
کشش ڈورے کی ہے باہر کو پیہم
نہیں تھمتا کسی ساعت کسی دم

نشانِ خاص تک جس وقت پہنچا لگاتا ہے کوئی باہر سے جھٹکا

پتا ملتا نہیں پھر رفتنی کا

گزرتی ہے نہ معلوم اس پہ پھر کیا

تماشا میں نے یہ دیکھا پیا پے بجاتا تھا ابھی اک خوش ادا نے

لگا جھٹکا کہاں نے پھر کہاں وہ نہ آیا تھا کبھی گویا یہاں وہ

ابھی اک شوخ محوِ زلف و شانہ حسینِ دہر یکتائے زمانہ

خرامِ ناز میں نخوت سے تن کر نظر کرتا نہ تھا سروِ چمن پر

یکایک کھا کے جھٹکا لڑکھڑایا کھنچا پردے سے باہر پھر نہ آیا

کوئی ہوتے ہی داخل جھٹکا کھا کر پھرا اُلٹے قدم صورت دکھا کر

لگاتا تھا یہ آمد شد کا ایسا کہ اب تک ہے مجھے بالکل اچنبا

ہوئی وہ گرمی محفل کہ مت پوچھ بیانِ لطف ہے مشکل کہ مت پوچھ

مگر آدھی پڑے پھیکا پڑا رنگ لگے سب اونگنے ہونے لگے تنگ

لگے ڈوروں میں بھی جھٹکے پیا پے

کوئی خوش اور کوئی ناشاد اُٹھے

بوقتِ صبح کی میں نے نظر واں وہ محفل گاہ تھی اک ہو کا میداں

تاسف سے ہوا میں دل میں ششدر — کہا خادم نے شہ کے مت ہو مضطر
ہزاروں محفلیں ہیں لاکھوں مہماں — ابھی تک تو نے کیا دیکھا ہے ناداں
شہنشاہانہ فیاضی ہے دائم — ازل سے ہے ابد تک یونہی قائم
بجالا حکم شاہی شادماں رہ — ہر اک محفل کا رنگیں میہماں رہ
مطیعوں پر کھلے ہیں باب رحمت — مؤدب پاتے ہیں ہر روز خلعت
حضوری ملتی ہے اہل طلب کو — خطاب قرب اربابِ ادب کو
خیالِ غیر سے مطلب نہ رکھنا — توقع غیر بابِ رب نہ رکھنا
کیا کر بیکسوں کی دستگیری — یہی ہے شاہ کی فرماں پذیری
یہ کہکر خادمِ شاہی بعجلت — ہوا مجھ سے ملا کر ہاتھ رخصت
تعجب ہے مجھے یہ راز کیا تھا — ہوئی کس طرح برہم بزم زیبا

خیالِ احمدی کیوں ہو پریشاں
حضورِ آستانِ پاک یزداں

احمدی

۷۷ - دار الغرور دنیا

ہر شمع اپنے زعم میں یاں برق طور ہے
ہر کنکری کو ہمسریِ کوہ نور ہے
عالم میں کبر و عجب کا ہر سو ظہور ہے
دنیا سے انکسار جو ہی یاں سو دور ہے

ہم کو تو اس جہاں سے شکایت ضرور ہی
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہی

شاہوں کو اپنی صولت شاہی پہ ہی گھمنڈ
نعمت پہ عیش و عشرت شاہی پہ ہی گھمنڈ
جاہ و حشم پہ دولت شاہی پہ ہی گھمنڈ
طبل و علم پہ شوکت شاہی پہ ہی گھمنڈ

ہر شخص ان کو دیکھ کے کہتا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

زاہد کو دیکھئے تو الگ اس کی شان ہی
خلقِ خدا پہ طعن ہے طاعت کا مان ہی
حضرت کو زہد خشک پہ کتنا گمان ہی
بگڑا ہوا مزاج سرِ آسمان ہی

جو اُس کے ڈھنگ دیکھ لے کہتا ضرور ہی
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہی

عالم جو اپنے علم پہ پھولا ہوا نہیں
ہم کو تو اس جہاں میں ابھی تک ملا نہیں

جاہل پہ کون عالم دانا ہنسا نہیں رونا یہ ہے کہ کوئی بھی عجز آشنا نہیں

نشہ شراب علم میں ہے اور ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محمد حامد خاکسار جہاں کا یہ حال ہے ہو اس جہاں سے دور جو فکر مآل ہے
نام و نمود نے جو بچھایا یہ جال ہے بچنا یہ مرے خیال میں اس سے محال ہے

گر کھل سکی نہ آنکھ تو پھنسنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محمد حامد

۷۰۔ احتساب زندگی

بتا اے خاک کی پتلے کہ دنیا میں کیا کیا ہے بتا کہ دانت ہیں منہ میں ترے کھایا پیا کیا ہے
بتا خیرات کیا کی راہ مولا میں دیا کیا ہے یہاں سے عاقبت کیواسطے توشہ لیا کیا ہے

دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل دردمندوں کا
بُرے حالوں میں تو شامل ہوا محتاج بندوں کا

کسی گم کردہ کی خضر بن کر رہنمائی کی کسی کی ناخن تدبیر سے عقدہ کشائی کی

دمِ مشکل کسی مظلوم کی حاجت روائی کی — کسی کی دستگیری کی، کسی سے کچھ بھلائی کی

کبھی کچھ کام بھی آیا کسی آفت رسیدہ کے
کبھی دامن سے پونچھے تو نے آنسو آبدیدہ کے

شریکِ دردِ و غم ہو کر کسی کا دُکھ مٹایا ہے — مصیبت میں کسی آفت زدہ کے کام آیا ہے
پرائی آگ میں پڑ کر کبھی دل بھی جلایا ہے — کسی بیکس کی خاطر جان پر صدمہ اُٹھایا ہے

کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بدنصیبی پر
کبھی کچھ ترس کھایا تو نے مفلس کی غریبی پر

کبھی تو نے کسی برگشتہ قسمت کی خبر لی ہے — کسی ماتم زدہ کی تو نے دلجوئی کبھی کی ہے
کسی کے واسطے آفت میں اپنی جان ڈالی ہے — کسی بے خانماں کو وقتِ مشکل کچھ مدد دی ہے

کبھی کچھ دلنوازی کی ہے تو نے دل شکستہ کی
کبھی کچھ چارہ فرمائی بھی کی زخمی و خستہ کی

کبھی امداد دی تو نے کسی بیکس بیچارے کو — سخی بنکر دیا کچھ تو نے مفلس کے گزارے کو
تسلّی دی کبھی تو نے کسی آفت کے مارے کو — کبھی تو نے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو

شریکِ دردِ دل ہو کر خبر لی بینواؤں کی
لگی ہے چوٹ بھی دل پر صدا سنکر گداؤں کی

مرقع عسرت و عشرت کا یہ نیرنگ عالم ہے کہیں ہے نغمۂ شادی کسی جا شور ماتم ہے
کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی با دیدہ نم ہے دورنگی ہے زمانہ کی کہیں شادی کہیں غم ہے

کبھی دور خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہاری ہے
کبھی ہیں وصل کی راتیں کبھی اختر شماری ہے

ذرا تو سوچ اے غافل رہیگا شادماں کبتک کریگا خون اپنے وقت کا نا قدرداں کبتک
ترے باغِ جوانی میں نہ آئیگی خزاں کبتک رہیگا تیری قسمت سے موافق آسماں کبتک

رہیگا تا بکے مصروف دنیا کے جھمیلے میں
کہاں تک کھوئیگا عمر رواں پانی کے ریلے میں

نہ ہو تو عیش پر نازاں دو روزہ ہے خوشی تیری سرِ شکِ خون لائیگی یہ دم بھر کی ہنسی تیری
عبث ہے ہستی موہوم سے دلبستگی تیری رہین پنجۂ دست اجل ہے زندگی تیری

عبث ہے بیکسی پر اس قدر انداز مستانہ
چھلک جائیگا ہو کر عمر کا لبریز پیمانہ

فنا ہونا زیست کا اک روز قصہ پاک ہونا ہے اجل کے ہاتھ سے دامان ہستی چاک ہونا ہے
کبھی تو پائمال گردش افلاک ہونا ہے کسی دن خاک میں ملنا ہے آخر خاک ہونا ہے

حباب آسا قرار زیست ہی دنیائے فانی ہیں
جو تجھ سے ہو سکے کر لے بھلائی زندگانی ہیں

نہ دولت ساتھ جائیگی نہ قسمت ساتھ جائیگی
نہ شوکت ساتھ جائیگی نہ رفعت ساتھ جائیگی

پس مردن نہ شایانِ امارت ساتھ جائیگی
نہ عظمت ساتھ جائیگی نہ صولت ساتھ جائیگی

جو پوچھے جائینگے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے
اگر کچھ ساتھ جائینگے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کر طاعت گزاری کر
پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کر

بھلائی کر بدی سے باز آ پرہیزگاری کر
جو تجھ سے ہو سکے تو خلق کی خدمتگزاری کر

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا
ترا دامن وہی امید کے پھولوں سی بھر دیگا

برق دھلوی

۷۹۔ قدیم سادہ زندگی

یاد ایام کہ بیرنگ تھی تصویر جہاں
دست مشاطہ نہ تھا محرم زلفِ دوراں

گل خودرو سے بسا تھا چمن کون و مکاں
چار سو حسنِ خداداد کا سکہ تھا رواں

جلد اول

وضع عالم میں نہ آیا تھا تغیّر اب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالمِ پیر — تھے ہم اک صنعتِ بیچون و چرا کی تصویر ۶
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر — طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر
خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم — نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم — مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی — دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی — ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی
عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی — روبرو جسکے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی

جلد دل جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی آنکھ وہ آنکھ تھی جسمیں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست

تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمر دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور بھی ہم

کسی محنت سی مشقت سی نہ معذور تھے ہم آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور بھی ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے

خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا

گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا جی میں فرعونِ زماں بننے کا ارمان نہ تھا

آکے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے

اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِ مو سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خودرو

حاجتیں لیکے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو نہ زمیں بوسی کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہاتھ نہ تھا

ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطف ہوا آندھیوں نے کیے انجام کو طوفاں پیدا جلد اوّل
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا
مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

حالی

۸۰۔ کلمۃ الحق

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو
شے تجھ سے کوئی کڑوی نہ ہوگی حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی
ہے ناگواری پہچان تیری "اَلحق مُرٌّ" ہے شان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے توڑائے باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
بے جرم مسموم تو نے کرائے سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے
تو نے صلے میں بخشی ہیں اکثر سولی کے اور رنگ کانٹوں کے افسر
خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے رنگین لہو میں ہیں ہاتھ تیرے

تیری جلو میں رسوائیاں ہیں — سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں
تدبیر ہے تو ناکامیوں کی — تقریب ہے تو بدنامیوں کی
تو آشتی کی رہتی ہے دشمن — تو مصلحت سے رکھتی ہے ان بن
قطع و برش ہے تاثیر تیری — رہتی ہے ننگی شمشیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر — دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر

پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں
آتی ہے دنیا اک زلزلے میں

اے راست گوئی اے تیغ برّاں — تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب وحشت آگیں مضموں ہیں تیرے — نت مصلحت پر شبخوں ہیں تیرے
گن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں — وہ تیری دھن میں آخر ہوئے ہیں
اٹھتی ہیں دل سے جب تیری موجیں — ہوتی ہیں نازل واں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمّت اُس کو سہارے — کرتی ہے امید پنہاں اشارے
عزم اُن کی مشکل کرتا ہے آساں — دل ان سے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں — ہے روز روشن ان کی نظر میں
زور انپہ تیرے ہیں آشکارا — مٹھی میں ان کے عالم ہے سارا

عظمت جہاں ہے تری سمائی
پربت وہاں ہے نظروں میں رائی

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں — منکر بھی دل سے ہے جس پہ مفتوں
تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے — ہر دل میں چبھتی تیری ادا ہے
تو نے جہاں دی آواز جاکر — لاکھوں سر اُٹھے تیری صدا پر
ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری — بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں — جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
بنتے ہیں دشمن انصار تیرے — ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم — ہیں گدگداتے دل ان کے ہر دم
جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری — ضرب ان پہ تیری پڑتی ہے پوری
جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر — گرتا ہے آخر کچھ دُور جا کر
تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے — پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے
بھاگے ہیں کھا کر زخمِ نہاں وہ — جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ
دیتی ہے اوّل تو زخم کاری — مرہم کی آخر آتی ہے باری
جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا — تو چھیڑتی ہے واں ذکر دریا

زہر اس عسل کو تو ہے بتاتی — جس میں حلاوت ہے سب کو آتی
اس نیش میں تو کہتی شفا ہے — نیش اجل کا جس میں مزا ہے
طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر — بیڑوں میں چرچا کرتی ہے جاکر
پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو — آگ آگ کا غل کرتی ہے واں تو
چھڑکی ہے تیری عادت میں داخل — ترشی ہے تیری طینت میں داخل

یاں نام ترا جس نے لیا ہے
عالم کو اپنا دشمن کیا ہے

اے راست گوئی اے ابرِ رحمت — ہے اس چمن میں سب تیری برکت
عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے — آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے
جن کھیتیوں میں تو چھائی — کھیتی انہی کی یاں لہلہائی
بند اپنی جس جا تو نے زباں کی — نکبت نے منزل آکر وہاں کی
ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملّت — سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو — مہکی ہے اکثر یاں تیری خوشبو
گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے — پر تیری دارو صحت فزا ہے
گو علم کی ہے تو زندگانی — پر جہل تیرا دشمن ہے جانی

جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں
نادان ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر
اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر
ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں
قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں
اے کلمۃ الحق اے سر یزداں
جس وقت ہو تو پردے سے عریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے
دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے
عالم ہو تیرا جب ناشنا سا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

حالی

۸۱- حیا

او حیا او پاسبانِ آبرو
نیکیوں کی قوتِ بازو ہے تو
پاکدامانی پہ تجھ کو ناز ہے
کیا ہی تیرا دلپذیر انداز ہے
جب سمائی آنکھ میں تو مثلِ نور
بدنگاہی سے رہی وہ آنکھ دور
دامنِ عصمت تو رکھتی ہے پاک
ہے سدا جرم و گنہ سے تجھ کو باک

گر نہ ہوتا درمیاں تیرا حجاب
فعل بد سے کون کرتا اجتناب

جب خطا کرتی ہے دل میں شور و شر
تو ہی بنجاتی ہے واں سینہ سپر

ذلت و خواری تجھے بھاتی نہیں
تاب رسوائی کی تو لاتی نہیں

تو مذلت کو سمجھتی زہر ہے
اور ملامت تیرے حق میں قہر ہے

مفلسوں کی ہے تو ہی پشت و پناہ
تو سمجھاتی ہے عرق ریزی کی راہ

گو تہیدستی کے ہو جائیں شکار
ہے مگر تجھ کو گدائی ننگ و عار

ہے ترے نزدیک مرجانا پسند
پر نہیں ہے ہاتھ پھیلانا پسند

اس قدر تجھ کو نہیں پروائے نان
جس قدر تو آن پر دیتی ہے جان

آبرو کھوتی نہیں از بہرِ قوت
لب پہ بنجاتی ہے تو مہرِ سکوت

اغنیا کے دل کو گرماتی ہے تو
بخل اور خسّت سے شرماتی ہی تو

تو ہی سکھلاتی ہے ان کو بذلِ مال
زخمِ خنجر ہی تجھے ردِّ سوال

اسمٰعیل

جلد اول

۸۲۔ مفلسی میں تسلّی

بے زری کا نہ کر گلا غافل رکھ تسلّی کہ یوں مقدّر تھا
اتنے منعم جہان میں گذرے وقت رحلت کے کس کنے زر تھا
صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال دیکھ ازانجملہ اک سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیر نگیں ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا
لعل و یاقوت ہم زر و گوہر چاہیے جس قدر مُیسّر تھا
آخرِ کار جب جہاں سے چلا ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میرؔ معلوم ہے قلندر تھا

میرؔ

۸۳۔ طرز معاش

کاٹئے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرا میں میہمانوں کی طرح

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گزرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں اک کا یگانوں کی طرح

ان کے غصّے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے ان کو گو ہو عالم نکتہ چیں

رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار

دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجئے کیا حالی نہ کیجے سادگی گر اختیار

بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

حالی

۴۸۔ تحفظ تعلقات

بڑھاؤ نہ آپس میں ملّت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلّف علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلّف کی عادت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہی میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کہیں دوست تجھ سے نہ ہو جائیں بدظن
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ

جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
نہ رکھو امیروں سے ملّت زیادہ

ہی الفت بھی وحشت بھی دنیا سی لازم
نہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہی محنت زیادہ

ہوئی عمر دنیا کے دہندوں میں آخر
نہیں ہی بس اب اس سے مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیرے حالیؔ
الاپیں نہ بس آپ دھرپت زیادہ

حالیؔ

۸۵- بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو
ذرا وصف اپنے سنو کان دہر کے

نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز
جدہر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدہر کے

جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے

جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے

اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر
تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے

پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو
کہ بس ٹھن گئی عزم جنگ تتر کے

چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پہ
تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے

پڑا تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی رہیں پاؤں کے ہوش جس میں نہ سر کے
جو کھانا تو بیحد جو پینا توات گت
غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

حالی

۸۶- مٹّی کا دِیا

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تا کہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

حالی

۸۷۔ حکمت

ممکن ہے کہ ٹل جائے جبل اپنے مقر سے
لیکن کبھی تبدیل جبلت نہیں ہوتی
ہو جان کی جوکھوں بھی اگر راہِ طلب میں
پست اس سے اُولوالعزم کی ہمت نہیں ہوتی
خلوت میں بھی لاتے نہیں عاقل اسے مُنہ پر
جو بات کہ شایستۂ جلوت نہیں ہوتی
ہم کرتے ہیں عادت کی غلامانہ اطاعت
اصلاح پذیر اس لئے عادت نہیں ہوتی
پتے کی طرح جو کوئی محکومِ ہوا ہو
اس شخص کی دنیا میں کہیں پت نہیں ہوتی

ڈھاتی ہے قیامت یہی خونخوار جہاں میں
کچھ غم نہیں ہوتا جو محبت نہیں ہوتی

لو جان بیچ کر بھی جو فضل و ہنر ملے
جس سے ملے جہاں سے ملے جسقدر ملے
جب چشم آز پھوٹ گئی سب خلش مٹی
اب سنگریزہ ہاتھ لگے یا گہر ملے

ممکن نہیں بغیر قناعت فراغ بال
ہر چند تو دہ تودہ تجھے سیم و زر ملے

غیر توکل نہیں چارہ مجھے اپنے ہی دم کا ہے سہارا مجھے
حرص و طمع نے تو ڈبو یا ہی تھا صبر و قناعت نے اُبھارا مجھے
فرصتِ اوقات ہے بس مغتنم
یہ نہیں ملنے کی دوبارہ مجھے

اسمٰعیل

۸۸۔ حکمت

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
نہ سنو گر بُرا کہے کوئی نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رہنما کرے کوئی
جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیا کسیکا گلہ کرے کوئی

غالب

۸۹- ترانۂ مسلم

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سایہ میں ہم پلکر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوںمیں ابتک رواں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
ابتک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

سالار کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہی جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اقبال

۹۰۔ مژدہ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا وصلِ دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
نہیں رہا اب وہ دَورِ ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
جہان سارا بنے گا مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
سفینۂ برگِ گل بنالیگا کارواں مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہیں رہیگی مگر نیا خار زار ہوگا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
وہ یہ سمجھتا ہے اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانہ ابھی وہی کیفیت ہے اسکی
کہیں سرِ رہ گزار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

اقبال

۹۱۔ فقیر کی صدا

گر قوم کی خدمت کرتا ہے　　احسان تو کس پر دھرتا ہے
کیوں غیروں کا دم بھرتا ہے　　کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اس ہاٹ کا یہ ہی پرتا ہے　　کچھ گانٹھ سے دے تب ترتا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو عمر یں مفت گنوائے گا　　وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا　　جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا　　یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو موقع پا کر کھوئے گا　　وہ اشکوں سے منہ دھوئے گا
جو سوئے گا وہ روئے گا　　اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا　　جو ہونا ہو گا ہوئے گا

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اب دنیا کا وہ رنگ نہیں	وہ طرز صلح و جنگ نہیں
اغیار کا تو پاسنگ نہیں	کیا تجھکو شرم و ننگ نہیں
گو تاج نہیں اورنگ نہیں	پر ملک خدا کا تنگ نہیں

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یہ دنیا آخر فانی ہے	اور جان بھی اکدن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے	کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمّت کی جولانی ہے	تو پتھر بھی پھر پانی ہے

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

دیوانہ

۹۲۔ تنبیہ مسلم

سینۂ کوہ جسے سن کے دہل جاتا تھا	لیکے وہ بار امانت تو سنبھل جاتا تھا
لن ترانی کی صدا سن کے مچل جاتا تھا	ایک جلوے کیلئے آگ میں جل جاتا تھا
سازِ توحید کا اک نغمۂ بیتاب تھا تو	ایک جوہر تھا مگر ایسا نہ کمیاب تھا تو
مثل نرگس نہ کبھی شیفتۂ خواب تھا تو	سرعت برق تھا تو ہستی سیماب تھا تو

جستجو کی وہ مگر تیری ادائیں نہ رہیں
ذوق آلودہ وہ پُر درد صدائیں نہ رہیں

ہو کے نکہت تجھے پرہیز پریشانی سہی	گل ہی اور ڈر تجھے آشفتہ گریبانی سہی
جلوہ ہو کر تو جھجکنے لگا عُریانی سہی	شعلہ ہو کر یہ حذر سوختہ سامانی سہی
کیا ترا بیعتِ رضوانیں یہی پیماں تھا	کیا یہی درس علیؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھا
یہی اسلام تھا پہلے بھی یہی ایماں تھا	کیا شہ یثرب و بطحا کا یہی فرماں تھا

جا نکل تو ہے مذلّت کا اگر متوالا
ترا محتاج نہیں گنبدِ خضرا والا

۹

۹۳-مردانِ خدا

کوچۂ دوست میں رکھ پاؤں ادب سے غافل
سرکش اس راہ میں گردن کو جھکا لیتے ہیں

حق تو یہ ہے کہ عجب لوگ ہیں مردانِ خدا
اپنے سر غیر کی ناحق یہ بلا لیتے ہیں

سامنا لاکھ مصیبت کا پڑے پر کوئی
آبرو غیر کا مردانِ خدا لیتے ہیں

گرچہ درویش ہیں یہ لوگ مگر چاہیں تو
سلطنت مول ترے در کے گدا لیتے ہیں

میرے ویرانہ میں درویش بھی سلطان ہو جائے
یاں بسیرا سرِ شام آکے ہما لیتے ہیں

جامِ جم سے اسے رتبہ میں سمجھتے ہیں زیاد
بھیک جس کاسے میں تیرے فقرا لیتے ہیں

رعنا

۹۴-فاطمہ

(ایک عرب کی لڑکی جو غازیانِ طرابلس کو عین میدانِ کارزار میں مشک سے پانی پلاتی پھرتی تھی اور بالآخر خود بھی جنت کو سدھاری)

فاطمہ تو آبروے ملّتِ مظلوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

کسقدر غیرت تجھے اے حور صحرائی ملی
غازیان ملت بیضا کی سقائی ملی

ہی جسارت آفریں شوقِ شہادت کسقدر
دل کہ برگِ نازکِ گل سی بھی تھا پاکیزہ تر

موت کے اندیشۂ جانکاہ سے بیگانہ تھا
موجۂ خوں کی ہم آغوشی سے بھی ڈرتا نہ تھا

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

سینۂ ملت میں ایسا جلوۂ نادیدہ تھا
جس کے نظارہ میں اک عالم سراپا دیدہ تھا

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں۔

اقبال

۹۵۔ شجر ملت

ڈالی گئی جو فصل خزانمیں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے

ہی لازوال عہد خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بار سے

فصلِ خزاں ہی تیرے گلستانمیں خیمہ زن
خالی ہی جیبِ گل زرِ کامل عیار سے

جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجر سایہ دار سے

شاخ بریدہ سے سبق اندوز ہو کے تو
واقف نہیں ہی قاعدۂ روزگار سے

مذہب کے ساتھ واسطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اقبال

۹۶- شغل تکفیر

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ — کچھ حالت یورپ سے خبردار نہیں ہیں
آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں — ہر چند ابھی مائل اظہار نہیں ہیں
جو نام سے اسلام کے ہو جاتے تھے برہم — ان میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا — یا ہیں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد — کیا آپ بھی اسکے لئے تیار نہیں ہیں
جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوء ادب ہے — کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

شبلی

۹۷- گلؔ

تجھے کیا فکر ہی اے گل دلِ صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کی چاک تو پہلے رفو کر لے

اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹو ںمیں اُلجھکر زندگی کرنے کی خو کر لے

تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ ہو منّت کشِ ساقی نگوں جام و سبو کر لے

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھکو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگل بھی ہی
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہکر اڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

اقبال

۹۸- حال اقبال

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے
سینۂ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے

نغمۂ امید تیرے بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیرے محمل میں نہیں

گوش آواز سرود رفتہ کا جویا ترا | اور دل ہنگامۂ حاضر سے بے پروا ترا
قصۂ گل ہم نوایانِ چمن سنتے نہیں | اہل محفل تیرا پیغامِ کہن سنتے نہیں
زندہ پھر وہ محفل دیرینہ ہو سکتی نہیں | شمع سے محفل شبِ دوشینہ ہو سکتی نہیں

اے درائے کاروانِ خفتہ پا خاموش ہو
ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش ہو

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں | اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں
نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے | اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لئے پیدا کیا | اور مجھے اس کی حفاظت کے لئے پیدا کیا
آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات | کہہ نہیں سکتی مجھے مایوس پیکارِ حیات
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے | ہے بھروسہ اپنی ملّت کے مقدر پر مجھے
ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد کہن رکھتا ہوں میں | اہل محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے | میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اقبال

۹۹- اسلام کا کارنامہ

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی | پڑی چار سو یک بیک دھوم جسکی
کڑک اور دھمک دور دور اس کی پہنچی | جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی

رہی اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا | ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا | ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں | پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتشکدوں میں | لگی خاک سی اڑنے سب معبدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اجڑ کر
جمے اک جا سارے ڈنگل بچھڑ کر

لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے | کیا کسب اخلاق روحانیوں نے

ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے کھا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا
ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا
کیا بر طرف پردہ چشمِ جہاں سے
جگایا زمانہ کو خوابِ گراں سے

حالی

۱۰۰۔ مسلمانوں کا فسانہ

مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے تمہارے کیا مدارج رہ گئے اُن پر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہی تو سوچو دل میں بھی سکا اثر کچھ ہے حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے
تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کہ آنکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر
کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں

تمہیں نے فرق بتلایا تھا سبکو گندم و جو میں — تمہیں سے سیکھکر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں
شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل میں
مخالف بھی تمہاری قدر دانی کرتے تھے دلمیں

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں — تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں — تمہیں تم تھے زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں
غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا — مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا — تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا
تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی — طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نہ دلمیں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی — نظر میں مظہر نور حقیقت ساری ہستی تھی
تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِ یاران وطن باقی
جو فکریں ہیں وہ اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی
وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو خواصِ خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانوں ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

اکبر

۱۰۱۔ مرثیہ مسلی

رو لے اب دل کھول کر تو اے دل خونابہ بار یہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
یہ محل خیمہ تھا ان صحرانشینوں کا کبھی بحر بازی گاہ تھا جن کے مکینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے شعلۂ جانسوز پنہاں جنکی تلواروں میں تھے
آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل جنکی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل

زندگی دنیا کو جن کی شورش قُم سے ملی
مخلصی انساں کو زنجیر توہم سے ملی

جسکے آوازے سے لذت گیر ابتک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

آہ اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس صحرا کے پانی میں ہے تو
زیب تیرے خال سے رخسار دنیا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلی بحر پیما کو رہے
ہو سبک چشم مسافر پھر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام
تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حسن عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا
نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر
آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی

مرثیہ تیری تباہی کا مری قسمت میں تھا
یہ تڑپنا اور تڑپانا میری قسمت میں تھا

اقبال

۱۰۲- بلاد اسلامیہ

سرزمیں دلّی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرّہ ذرّہ میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اس اُجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمیں
سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار نظم عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

دل کو باقی ہے ابھی تک گرمیٔ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ہے زیارت گاہِ مسلم گو جہان آباد بھی اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
یہ چمن وہ ہی کہ تھا جسکے لئے سامانِ ناز لالۂ صحرا اسے یثرب یعنی تہذیبِ حجاز
خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

جسکے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے روما اُن کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمع طور
بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی
دورِ گردوں میں نغمے سیکڑوں تہذیب کے پل کے نکلے مادرِ ایام کے آغوش سے

قبر اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار مہدیٔ اُمت کی سطوت کا نشانِ پائیدار

صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمین بھی پاک ہے آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے
نکہتِ گُل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا
کشورِ اسلام کا اے مسلمو دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت خوں کا حاصل ہی یہ شہر
وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہِ مصطفےٰ دید ہے کعبہ کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسندِ جم کے ہوئے
گو مٹانا بستیوں کا ہے شعارِ روزگار عظمتِ ملت کی باقی یادگاریں ہیں ہزار
یہ ہویدا ہے کبھی مٹتے ہوئے آثار ہیں یا نمایاں ہیں کسی گرتی ہوئی دیواریں
نالہ کرتی ہی کہیں خاموش سوتی ہے کہیں اہلِ ملت کی فراموشی کو روتی ہے کہیں
جلوہ گاہیں اس کی ہیں اپنی زیارت کیلئے
اشک باری کے لئے غم کی حکایت کیلئے

اقبال

۱۰۳- شمع و شاعر

شاعر

دوش می‌گفتم بہ شمعِ منزلِ ویرانِ خویش — گیسوے تو از پرِ پروانہ دارد شانہٴ
در جہاں مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ستم — نے نصیبِ محفلے نے قسمتِ کاشانہٴ
مدّتے مانندِ تو من ہم نفس می سوختم — در طوافِ شعلہ ام بالے نزد پروانہٴ
می طپد صد جلوہ در جانِ امل فرسودِ من — بر نمی خیزد ز محفل یک دلِ دیوانہٴ

از کجا ایں آتشِ عالم فروز اندوختی ؟
کرمکِ بے مایہ را سوزِ کلیم آموختی !

شمع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل — لب اُسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز — تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا

گریہ ساماں ہیں کہ میرے دل میں ہے طوفانِ اشک　　شبنم افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چرچا ترا
گل بدامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح　　ہے ترے امروز سے ناآشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں رکھتا نہیں　　شعلہ ہے مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ترا
سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟　　انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا
اور ہے تیرا شعار آئینِ ملت اور ہے　　زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا
کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بتخانہ ہے　　کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا
قیس ہوں پیدا تری محفل میں یہ ممکن نہیں　　تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلیٰ ترا
اے درِ تابندہ اے پروردۂ آغوشِ موج!　　لذتِ طوفاں سے ہے ناآشنا دریا ترا

اب نوا پیرا ہے کیا گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم نغمہ بے موسم ترا

تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے　　لیکے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے　　ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی　　پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ　　صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا　　اب کوئی سودائے سوزِ تمام آیا تو کیا

پھول بے پرواہیں تو گرمِ نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

شمعِ محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

رشتۂ الفت میں جب اُنکو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

شوقِ بے پروا گیا فکرِ فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے

وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ آشامی نہیں
فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے ؟
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اُسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلا رہی لیلا کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں

خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا اُمیدِ نورِ ایمن ہو گئیں

اُڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں

وسعتِ گردوں میں تھی اُنکی تڑپ نظارہ سوز
بجلیاں آسودہ دامانِ خرمن ہو گئیں

دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں
اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بداماں ہو گئیں

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن امید کی

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز
بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش

نقد خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی
پھر دکاں تیری ہے لبریزِ صدائے ناؤ نوش

ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہ سیمایانِ ہند
پھر سلیمیٰ کی نظر دیتی ہے پیغامِ خروش

پھر یہ غوغا ہے کہ لا ساقی شرابِ خانہ ساز
دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش

نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں
ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش

در غمِ دیگر بسوز و دیگراں را ہم بسوز
گفتمت روشن حدیثے گر توانی دار گوش

کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری
ہاں سُنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
سُرمہ چشم دشت میں گردِ رمِ آہو ہوا

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا — بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں آیا جو ہوا
اپنی اصلیت پہ قایم تھا تو جمعیت بھی تھی — چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات — یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا
پھر کہیں سے اسکو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ — زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا
آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی — جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ — یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
خیمہ زن ہو وادیِ سینا میں مانندِ کلیم — شعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ کر
شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم — صرفِ تعمیرِ سحر خاکسترِ پروانہ کر
تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو — عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں — ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
خاک میں تجھکو مقدر نے ملایا ہے اگر — تو عصا افتادہ سے پیدا مثالِ دانہ کر
ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنالے آشیاں — اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر
اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل — یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے؟
راہ تو رہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا؟
ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو

دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں بھی کبھی
قیس تو لیلا بھی تو صحرا بھی تو محمل بھی تو

وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے!
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے!

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے
دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں — کسوتِ مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے
پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے — اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار — نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائیگی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — یعنی گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائیگی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائیگی
دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل — موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائیگی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائیگی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور — خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائیگی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اقبال

۱۰۴- آجکل کے مسلمان اور اسلام

ہیں ہوا پر کفر کے گیسو پریشاں اندنوں
کوئے دلمیں کیونکر آئے بوئے ایماں اندنوں

علم دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضر رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں اندنوں

اپنے اشتر کو یہ کیا لیجائیگا سوئے حجاز
مست خود ہی ہنڈ کی گت پر حدی خواں اندنوں

بڑھ رہا ہی کفر زلف علّت و معلول سے
حسنِ فطرت ہی حجاب روئے یزداں اندنوں

شارح دیوانِ ہستی ہے قیاسِ مغربی
ہے ازل بھی تجربوں کے زیر فرماں اندنوں

ہیں مشاغل محفل احباب کے ناگفتہ بہ
دم بخود بیٹھا ہے اکبر سا سخن داں اندنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے
دیکھ تو ان کے یہاں مذہب کا ساماں اندنوں

خدا جانے کہا کسنے یہ کسدن عقل مسلم سے
کہ مشرق سے نظر آتا نہیں مغرب کا چھٹکارا

گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
برا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا

مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا

وہ چھینٹے دیجیے انکو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے یہ مذہب کا انگارا

چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں
عجب کیا ہی کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دہارا

قیامت کر گئی قومی ترقی گوش مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود ما را

اگر آن شاہد مغرب بدست آرد دل ما را
بچشم مست او بخشیم تسبیح و مصلّے را

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

بزم یاراں سے پھری باد بہاری مایوس
ایک سر بھی اسے آمادۂ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کو دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

ہاں ہوشیار ونہیں تو اک اک سے سوا ہیں اکبر
مجھکو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خوانند
مومناں را بنجر اشنند بہ دشنامے چند

غیرت دیں بفروشند بیک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملت پےِ خود کامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف
چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدا اسمے چند

ورد ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز خود کامے چند

جلد اوّل
اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائے — غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائے
فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول — دین کی جو بات ہو تو ابطال پر ٹھن جائے
شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت
روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق نوم — تھے مبتلائے حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
دنیا و دین کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا — عشقِ بتاں شباب میں پیری میں عشقِ قوم

اس عہد میں یہی ہے بس داخلِ نکوئی — مذہب پہ نکتہ چینی ملت میں عیب جوئی
شوق عمل نہیں ہے فکرِ اجل نہیں ہے — واعظ بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے — تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے
جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے — نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے
کہیں میم کا ہے پھندہ کوئی دخترِ رز کا بندہ
ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل اُنہیں کا کج ہے

اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہی — اس کی تو گورنمنٹ ہی رسپانسبل ہی
غزالی و رومی کی بھلا کون سُنے گا — محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مل ہی

کچھ رو نہیں ہے پرستش گرد جو اینٹوں کی — سٹرک پہ مانگ ہی قلیوں کی اور میٹوں کی
نہیں ہی قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت — وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں چارہ بیکار حسب دستور — تلاوت کرتے ہیں وہ پانیر کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے
اسی پر شیخ بیچارے نے اپنی چھاتی پیٹی ہے
کہاں باقی رہے ہم میں وہ اوراد سحر گاہی
وظیفہ کی جگہہ یا پانیر یا آئی ڈی ٹی ہے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے — مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

سب بے نماز و نہیں ہیں وہ اور اس پہ شرماتے نہیں
یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

پانیر کے صفحۂ اوّل میں جس کا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں گر اُسکو عاقبت کی فکر ہو

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اس کا
جسکے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہی کہ گویا آب زمزم مے میں داخل ہے

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

منزلوں دور اُن کی دانش سے خدا کی ذات ہے
خورد بیں اور دور بیں تک ان کی بس اوقات ہے

نشاں کھو کے بگولے کی طرح اُٹھتے ہیں توخاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے

کٹے ملت سے جو دیکھے گی دنیا انکو عبرت سے گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

انگریز میں عظمتِ جہانبانی ہے ہم میں اک شان علم روحانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں بازو نہ قوی نہ قلب نورانی ہے

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو

بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اکبرؔ مریض ہے تو دعا بھی اسے سکھاؤ — ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

جوش میں لائے صبا جسکو وہ خون اچھا ہی — بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنون اچھا ہی
جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہی — کفر پہ غصہ دلائے وہ جنون اچھا ہی

دلیل ملحد سے پوچھتی ہے کہ تم مسلّم مگر خدا کیا
دل اسکے عاشق سے کہہ رہا ہی کہ اسکے ہوتے یہ ماسوا کیا

ہیں اہلِ جہاں منکرِ اللہ سے کد پر — دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پر
ہنگامے انہی کے لئے ہیں صلِّ علیٰ کے — جو زیست میں عاشق تھے ھُوَ اللہ اَحَد پر

اکبر

رباعیات

معارف ملّت

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ امید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمّل ہو جائیں گے

۱۔ آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت — وطن لکھنؤ — وفات ۱۲۶۳ھ — دفن لکھنؤ — صفحہ

۵- اقبال ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

ولادت ۱۸۷۳ء وطن سیالکوٹ

۶- اکبر سید اکبر حسین صاحب الٰہ آبادی

ولادت ۱۸۴۶ء وطن الٰہ آباد

۷- امیر منشی امیر احمد مینائی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنو وفات ۱۳۱۸ھ مدفن حیدرآباد دکن

۸- انیس میر ببر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۱٦ھ وطن دلّی وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنو

۹- برق منشی مہاراج بہادر

ولادت وطن دلّی

۱۰- بسمل

ولادت وطن

۲۳۔ شیدیز

ولادت　　وطن

۲۴۔ شبلی

ولادت　　وطن اعظم گڈھ　وفات ۱۹۱۷ء　مدفن اعظم گڈھ

۲۵۔ ظفر　سراج الدین بہادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت　　وطن دلّی　وفات　　مدفن رنگون

۲۶۔ ظفر علی خاں صاحب

ولادت　　وطن

۲۷۔ عارف پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب

ولادت وطن

۲۸۔ غالب مرزا اسد اللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلّی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلّی

۲۹۔ محروم منشی تلوک چند صاحب

ولادت وطن

۳۰۔ مسکین

ولادت وطن

Call No. .... *Date* ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

محمد الیاس برنی صاحب کی کتابیں

معاشیات

(۱) علم المعیشت۔ اکنامکس (Economics) پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اُصول کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے مضامین بخوبی ذہن نشین ہونے کے علاوہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمّل"۔ ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد۔ بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو شایع ہوئی ہے قیمت - - - - - - - - - - - - للعہ

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہی، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہی۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اُصول و مسائل بیان ہوئے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ سے اِن کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہی یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۷۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہوگی۔ تیار ہو رہی ہے۔

(۳) **مالیات**۔ پبلک فنانس (Public Finance) پر اُردو زبان میں یہی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہی مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرایع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہی۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیونکر عملدرآمد ہوتا ہی یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کیے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اِس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہی ضخامت تخمیناً ۵۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) مقدمۃ المعاشیات - مور لینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ - مجلد - منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہوئی ہی۔

(۵) ہندوستانی معاشیات - مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جسمیں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی۔ ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہوئی ہے۔

(۶) برطانوی حکومتِ ہند - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہی۔ یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی۔ ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحہ مجلد - منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہوئی ہی۔

سلسلۂ منتخباتِ نظمِ اُردو

اِس سلسلہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دَور شروع ہوتا ہی۔ عجیب وغریب انتخاب ہی گویا شعر وسخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ وبُو سے دل ودماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہے ملک میں یہ سلسلہ جس قدر پھیلے کم ہی ہر جلد کی ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحہ ہی۔

(۱) معارفِ ملّت۔ حمد نعت، مناجات اور اخلاقی وقومی نظموں کا گلدستہ جلد اوّل مجلد قیمت عہ

(۲) معارفِ ملّت۔ " " " (زیرِ ترتیب) جلد دوم مجلد قیمت عہ

(۳) جذباتِ فطرت۔ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا + میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے " عہ

(۴) جذباتِ فطرت " " " (زیرِ ترتیب) جلد دوم مجلد قیمت عہ

(۵) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقع جلد اوّل " عہ

(۶) مناظرِ قدرت۔ " " " (زیرِ ترتیب) جلد دوم مجلد قیمت عہ

اعلان

الحمدللہ کہ منتخبات نظم اردو کی تین جلدوں کا یہ پہلا سٹ چھپکر ہدیہ ناظرین ہے۔ اسی پایہ کا دوسرا سٹ زیر ترتیب ہے جو عنقریب شایع ہوگا۔ اور امید ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہر سٹ میں معارف ملّت، جذبات فطرت اور مناظر قدرت کی ایک ایک نئی جلد شامل ہے۔ انمیں سے کسی ایک یا دو جلد کے مقابل پورے سٹ کی فرمایش کو بلحاظ تعمیل ترجیح حاصل ہوگی قیمت فی جلد عہ اور فی سٹ للعہ مقرر ہے لیکن کم از کم ۵ سٹ کے خریدار کو فی سٹ ۸ کمیشن ملیگا۔

ملنے کا پتہ

مؤلف

یا

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

علی گڈھ

ASHMIR UNIVERSI
Iqbal Library
Acc. No 502303
Dated 14.2.05

Call No. ______ Date ______

Acc. No. ______

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Date ....

Call No. ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Call No. ....

Acc. No. ....

Date ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Call No. .... Date ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Call No. .... *Date* ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Call No. ....

Acc. No. ....

Date ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.